جامعہ حقانیہ کا ترجمان

ساہیوال
سرگودھا

# مجلّہ الحقانیہ

ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فروری ۲۰۱۱ء

بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

# فہرست





www.alhaqqania.org

کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

# حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن الاشرفی الی رحمۃ اللہ تعالیٰ

دو تین ہفتے سے سننے میں آ رہا تھا کہ حضرت الاستاذ جامع المعقول والمنقول مولانا عبدالرحمٰن اشرفی نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور سخت علیل ہیں اور ڈاکٹرز ہسپتال لاہور میں زیر علاج ہیں آپ کی علالت کی خبر سے تشویش ہوئی اور تیمارداری کے لیے احقر خود لاہور حاضر ہوا مورخہ ۱۸ر جنوری ۲۰۱۱ء کو ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی مدظلہ کے ہمراہ ڈاکٹرز ہسپتال حاضر ہوا آپ کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا احمد حسن صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے جو صورت حال بتائی اس سے یہی معلوم ہو رہا تھا کہ اب آپ اس فانی دنیا میں چند روز کے مہمان ہیں چنانچہ احقر لاہور سے واپس آیا ہی تھا کہ اتوار کی شب جبکہ احقر ایک اجلاس میں شرکت کے لیے جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا جا رہا تھا راستہ میں ہی برادر عزیز مولوی سید فہیم ترمذی فہیم سلمہ نے لاہور سے فون پر اطلاع کی کہ ابھی دو منٹ قبل ڈاکٹرز ہسپتال میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دل پر اس خبر وحشت اثر سے بڑی چوٹ لگی اور آپ کی جدائی سے خاص صدمہ ہوا کافی دیر کے بعد جنازہ کے بارہ میں اطلاع ملی کہ کل بعد ظہر ۲ بجے جامعہ اشرفیہ میں آپ کا جنازہ ہوگا۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی علمی خاندان کے چشم و چراغ بلکہ آفتاب و ماہتاب تھے، آپ کے والد ماجد حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ جامع شریعت وطریقت اور حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ اعظم اور فنافی الشیخ تھے پاکستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعہ اشرفیہ لاہور جس کا فیض پوری دنیا میں ہے آپ اس کے بانی اور رئیس تھے حق تعالیٰ نے آپ کو عظیم اولاد سے نوازا جو علم وعمل کی جامع اور بے شمار خوبیوں کی مالک ہے: استاذ العلماء حضرت مولانا عبیداللہ قاسمی مدظلہم،

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم،حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی ،حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہم آپ ہی کے فرزندان گرامی ہیں ان حضرات کی خدمات اور حالات کو دیکھ کر بجاطور پر کہا جا سکتا ہے کہ ع ایں خانہ ہمہ آفتاب است ہمارے مخدوم بزرگ اور استاذ مکرم ومحترم حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی نے اسی علمی خانوادے میں آنکھ کھولی ۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۳۳ء بمطابق ۱۳۵۲ھ میں برصغیر پاک وہند کے مشہور شہر امرتسر میں ہوئی ،ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں اپنے والد ماجد سے حاصل کی اس ادارہ کے استاذ محترم حضرت قاری خدا بخش صاحب رحمہ اللہ سے قرآن کریم حفظ کیا اور پھر حضرت والد صاحب کے علاوہ برادر اکبر حضرت مولانا عبیداللہ صاحب قاسمی مدظلہم، حضرت مولانا میرک شاہ صاحب ،حضرت مولانا محمد شریف صاحب اور حضرت مولانا غلام محمد جالندھری جیسے عظیم اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کیا اور آخر میں اپنی مادر علمی جامعہ اشرفیہ لاہور میں حضرت مولانا رسول خان صاحب ،حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ،حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہم سے دورہ حدیث شریف پڑھ کر تمام علوم وفنون کی تکمیل کے بعد سند فراغت حاصل کی ۔

فراغت کے بعد آپ جامعہ اشرفیہ میں تدریس کے منصب اور عہدہ پر فائز ہوئے ، مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف جیسی اہم کتابیں ابتدا ہی سے آپ نے پڑھائیں اور شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی کی وفات کے بعد ۱۹۸۹ء بمطابق ۱۴۰۹ھ سے بخاری شریف کی جلد ثانی بھی آپ سے متعلق ہوگئی ،دونوں کتابیں آپ آخری دم تک پڑھاتے رہے ۔

آپ کا روحانی تعلق ہمیشہ سلسلہ امدادیہ اشرفیہ کے اکابر سے رہا سب سے پہلے آپ نے حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب سے اصلاحی تعلق قائم کیا ان کے بعد استاذ الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا ،آپ نے باقاعدہ خلافت سے سرفراز فرمایا ان کے بعد حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ سے آپ نے تعلق قائم کیا انہوں نے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی ۔

آپ چونکہ ایک عظیم خطیب بھی تھے اس لیے جامع مسجد حسن میں ابتدا سے ہی آپ نے خطابت کا آغاز فرمایا اور آخر تک آپ کی خطابت کا سلسلہ جاری رہا لاکھوں مسلمانوں نے آپ کے بیانات سے استفادہ کیا، حق تعالٰی نے بیان وتقریر کا بڑا ملکہ آپ کو عطا فرمایا تھا اس لیے آپ کا بیان ذی شان سننے کے لیے دور دور سے سامعین بڑے ذوق وشوق اور اہتمام سے پہنچتے تھے، اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد آپ تقریبا باون سال تک جامعہ اشرفیہ جیسی عظیم یونیورسٹی کے نائب مہتمم بھی رہے، درس وتدریس، خطابت اور نیابت اہتمام جیسی عظیم خدمات کے علاوہ درس قرآن کریم خدمت بھی آپ سے متعلق رہی اور تصنیف وتالیف سے دلچسپی کے نتیجہ میں نکات القرآن تین جلدوں میں عظیم تفسیر آپ کی عظیم یادگار ہے۔

غرضیکہ آپ گوناگوں صفات کے حامل اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے، آپ انتہائی منکسر المزاج عبادت گذار اور خوش اخلاق نیز طلبا پر بے حد رحیم وکریم وشفیق تھے، وسیع المشربی اور وسیع الظرفی اور ظرافت آپ کا خاص ذوق تھا، آپ عوام وخواص کے علاوہ حضرات علماء کرام اور مختلف مکاتب فکر اور مسالک میں بھی یکساں مقبول تھے، صحیح معنی میں جامعہ کی رونق اور طلبا کی زینت تھے۔

حضرت والد گرامی مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ سے آپ کے خاص تعلقات تھے لیکن احقر ناکارہ کو زیارت کا موقع اس وقت ہوا جب احقر کی پہلی مرتبہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ کے ہمراہ ۱۳۹۴ھ بمطابق جنوری ۱۹۷۵ء میں حاضری ہوئی، اس وقت دیگر اکابر کے علاوہ حضرت اشرفی رحمہ اللہ کی زیارت بھی ہوئی، ان کی شفقت، شگفتہ مزاجی سے احقر بہت متاثر ہوا اور ان کے ساتھ طبیعت میں ایک انس محسوس ہوا، اس کے بعد بارہا جامعہ میں حاضری اور حضرت سے ملاقات کا موقع ملا، لیکن براہ راست گفتگو کا موقع اس وقت ملا جب ۱۴۰۱ھ میں حاضری ہوئی۔

احقر کو خوب یاد ہے کہ ہم مسجد حسن سے ظہر کی نماز پڑھ کر نکلے حضرت مسجد سے باہر آچکے تھے انہوں نے حضرت والد صاحب کو کھانے کا کہا وہ فرمانے لگے کہ میں تو اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گا عبدالقدوس کو کھلا دیں، حضرت نے احقر کو ساتھ چلنے کا فرمایا اور گھر لے گئے، وہاں

آپ کے صاحبزادگان اور ایک دو خادم پہلے سے موجود تھے انہوں نے کھانے کا انتظام کیا اور پھر سب نے مل کر ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھایا، حضرت دوران طعام ہمیں لطائف سنا کر محظوظ کرتے رہے اور کھانا ختم ہونے تک احقر بھی حضرت سے بے تکلف ہو گیا، حضرت نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کیا پڑھتے ہو، احقر نے اسباق بتا دیئے، بڑے خوش ہوئے اور بہت ہی دعائیں دیں۔

احقر نے آپ کے لطف وکرم کو دیکھ کر سوال کیا کہ حضرت احناف کے ہاں غائبانہ جنازہ کا کیا حکم ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ ناجائز ہے۔ان دنوں اخبارات میں یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم نے سابق وزیراعظم پاکستان محمد علی چودھری کا غائبانہ جنازہ پڑھا دیا ہے، اخبارات میں جنازہ پڑھاتے ہوئے دکھایا بھی گیا تھا، احقر کو حضرت کے جواب پر بڑی حیرانی ہوئی کہ آپ اس کو ناجائز فرما رہے ہیں تو پڑھایا کیوں ، میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر آپ نے کیوں پڑھایا؟ فرمانے لگے کب اور کہاں؟ احقر نے اخبار کے حوالہ سے ساری تفصیل عرض کی تو فرمانے لگے کہ اخبار میں آپ نے جو تصویر دیکھی تھی وہ میری ہی تھی؟ احقر نے بڑے یقین سے اثبات پر زور دیا، تو مسکرا کر فرمانے لگے کہ تم نے صحیح کہا لیکن اصل وجہ اس کی یہ تھی کہ مرحوم سے خاص تعلقات تھے اور ان کے بیٹے چاہتے تھے کہ میں ان کا جنازہ پڑھاؤں چونکہ ان کا انتقال کراچی میں ہوا تھا اور میرے لیے وہاں ان کے جنازہ میں پہنچنا ممکن نہ تھا اس لیے میں نے یہاں ان کے بیٹوں کے اصرار پر لاہور میں ان کا جنازہ پڑھا دیا پھر آپ نے ایک تاویل کے ساتھ اس جنازہ کا غائبانہ ہونے کی بجائے حاضرانہ ہونا بھی ثابت فرمایا، اسی مجلس میں پھر بعض دوسرے مسائل جن میں دیوبندی بریلوی اختلاف پایا جاتا ہے ان کا ذکر بھی آیا حضرت نے اپنے ذوق کے مطابق ان کی تشریح ووضاحت فرمائی اور فرمایا کہ میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر ہوں اور مجھے امدادی المشرب سمجھنا چاہیے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق اتفاق واتحاد اور جوڑنے کا تھا اور یہی میرا ذوق ہے۔

احقر اس سب کچھ سے بڑا حیران ہوا اور حضرت کی بے تکلفی کو دیکھ کر بڑے ادب کے ساتھ بعض باتوں میں اختلاف کا اظہار بھی کرتا رہا جس سے حضرت بہت خوش ہوئے بعد میں

حضرت والد صاحب سے آپ نے فرمایا کہ ماشاءاللہ صاحبزادہ بڑا پختہ اور متصلب ہے اس سے مل کر اور گفتگو کر کے خوشی ہوئی احقر کے لیے حضرت کا یہ ارشاد بڑی سند اور سعادت تھی ، حضرت والد صاحب نے بھی اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، یہ تھی احقر کی حضرت سے تفصیلی ملاقات اور پہلی مرتبہ گفتگو جس سے قلب پر ان کی مزید عظمت قائم ہوئی اور کسی قدر آپ کی وسیع النظر فی اور وسیع المشر بی کا علم ہوا اور پھر بعد میں جوں جوں حضرت کے قریب ہونے کا موقع ملا اس تاثر میں اضافہ ہوتا گیا اور کئی چیزیں مشاہدہ میں آئیں جو یقیناً آپ کے خصوصی ذوق کی آئینہ دار تھیں۔

احقر نے شوال المکرم ۱۴۰۲ھ میں موقوف علیہ کے لیے جامعہ اشرفیہ میں داخلہ لیا اور اس طرح دوسال احقر جامعہ اشرفیہ میں زیر تعلیم رہا پہلے سال اگر چہ حضرت کے پاس کوئی سبق نہ تھا لیکن احقر کے داخلہ کے وقت بعض کتابیں شرح عقائد وغیرہ جو احقر نے اس وقت تک نہیں پڑھی تھیں ان کے متعلق حضرت سے ذکر آیا تو فرمانے لگے کہ شرح عقائد میں تمہیں پڑھا دوں گا تم اس کا فکر نہ کرو جامعہ میں داخلہ لے لو، پھر پورے سال حضرت سے مجلس اور ان کی خدمت میں حاضری اور آپ کی شفقتیں شامل حال رہیں احقر وقت ملنے پر اکثر وبیشتر حضرت اقدس فقیہ زمان مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ کی مجلس میں حاضر رہتا حضرت بھی مسلم شریف کا سبق پڑھا کر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے اور پھر کچھ دیر تک یہ مجلس جاری رہتی آپ حضرت مفتی صاحب کو بڑے دلچسپ واقعات سناتے اور بعض دفعہ مسائل پر تبادلہ خیال بھی ہوتا کبھی کبھی آپ مسائل اور واقعات کی ایسی تاویل فرماتے کہ حضرت مفتی صاحب بھی اس پر حیرت کے اظہار کے ساتھ یہ جملہ ارشاد فرمادیتے صدق الذی سماك شیخ التاویلات۔

صبح صادق کے مسئلہ پر حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف چل رہا تھا انہوں نے حضرت مفتی صاحب کو اپنی رائے سے مطلع فرمایا ایک مرتبہ اس مجلس میں بھی اس کا ذکر آیا تو حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب اشرفی فرمانے لگے کہ حضرت مولانا موسیٰ صاحب روحانی بازی فرماتے ہیں کہ میں ان سے بات کے لیے تیار ہوں پھر آپ نے اکابر کی رائے کی تائید فرمائی حضرت مفتی صاحب نے بھی اپنے حضرات کی رائے کو صحیح قرار

دیا اور فرمایا کہ مفتی رشید احمد صاحب نے اپنی تائید میں امداد الاحکام کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ مسئلہ اس میں کئی جگہ آیا ہے اس سے ان کی تائید نہیں ہوتی، احقر نے عرض کیا کہ امداد الاحکام میں یہ مسئلہ پانچ جگہ آیا ہے حضرت مفتی صاحب نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا حضرت مولانا مرحوم اس سے بہت محظوظ ہوئے اور بار بار اس کو دہرا کر فرمانے لگے کہ عبدالقدوس کو تو خوب یاد ہے کہ امداد الاحکام میں یہ مسئلہ پانچ جگہ ہے اس پر دونوں حضرات نے بڑی دعائیں دیں۔

مولانا عبدالستار نیازی نے جس زمانہ میں اتحاد امت کے لیے چار نکاتی فارمولا پیش کیا حضرت مولانا نے اس کی بڑی تائید فرمائی آپ بھی دل سے چاہتے تھے کہ دیوبندی بریلوی دونوں مکاتب فکر میں کسی طرح اتحاد واتفاق ہو ان کے اختلاف سے امت میں جو انتشار پایا جا رہا ہے کسی طرح ختم ہو، آپ نے ایک دن حضرت مفتی جمیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس فارمولا کا ذکر کیا اور اسی طرح کی تجویز پر ان سے دستخط بھی حاصل کیے حضرت مفتی صاحب نے اپنے دستخطوں کے باوجود یہ واضح فرما دیا تھا کہ کسی کی عبارت میں تبدیلی اور تغیر کا اختیار مصنف کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے اس لیے یہ نکتہ کہ فلاں کتاب کی فلاں عبارت کو تبدیل کر دیا جائے یہ غلط ہے جبکہ حضرت مولانا مرحوم کا رحجان اس طرف تھا کہ اتحاد امت کے لیے اس تبدیلی میں کوئی حرج نہیں، بعد میں جب اس فارمولا کا جواب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا وہ چونکہ مسلک دیوبند کی پوری اور صحیح ترجمانی تھی اس لیے حضرت مفتی صاحب نے اس پر تصدیق فرمائی اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے بھی اسے بہت سراہا اور پھر یہ مضمون قومی اخبارات میں بھی شائع ہوا۔

آپ اگرچہ جملہ مکاتب فکر سے تعلق رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مسلک کو ہی حق اور صواب سمجھتے تھے اور اس مسلک کی تشریح وضاحت اور دفاع فرماتے تھے لیکن آپ کا انداز ہمیشہ صلح کن اور مثبت ہوتا تھا مسلک دیوبند کی اشاعت کا بھی آپ کو بڑا اہتمام تھا احقر کی درخواست پر حضرت والد صاحب کے رسالہ ''عقائد علماء دیوبند'' پر آپ نے نہ صرف تصدیق فرمائی بلکہ اپنی طرف سے اسے تین ہزار کی مقدار میں الگ سے شائع فرما کر تقسیم بھی کیا اور اس درس مسلم میں بھی طلبہ کے سامنے اس رسالہ کی تائید وتعریف فرمائی۔

احقر ناکارہ پر حضرت کی بے حد شفقت وعنایت تھی حضرت جدامجد مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی اور حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہما کے تعلق کی وجہ سے احقر پر آپ بڑے مہربان تھے، از راہ لطف وعنایت جنگ اخبار میں فقہی مسائل لکھنے کے لیے بھی احقر پر اعتماد فرمایا اور ایک روز حضرت استاذ الکل مولانا رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے خلافت نامہ کی بھی احقر کو زیارت کرائی احقر دو سال جامعہ میں رہا پہلے سال اگر چہ حضرت کے پاس کوئی سبق نہ تھا لیکن اس کے باوجود تقریباً روزانہ آپ کی زیارت اور مجلس میں حاضری اور جمعۃ المبارک پر آپ کے بیانات سے مستفید ہوتا رہا، حضرت اکثر گھر کے حالات اور حضرت والد صاحب کے متعلق استفسار فرماتے اور میری حوصلہ افزائی فرماتے، دوسرے سال احقر کا دورہ حدیث شریف کا سال تھا اس لیے آپ کی خدمت میں صرف حاضری ہی نہیں بلکہ آپ سے باقاعدہ پڑھنے کا بھی موقع ملا، مسلم شریف کا آغاز ۲۶ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ ۱۶ اگست ۱۹۸۲ء سوموار کے روز ہوا آخری سبق آپ نے ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ کو پڑھایا اس کے بعد آپ غیر ملکی دورہ پر روانہ ہوئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ میں آپ کی واپسی ہوئی، اس طرح شروع سال سے ششماہی امتحان تک آپ سے پڑھنے اور استفادہ کا موقع ملا۔

آپ کا انداز تدریس بہت ہی عجیب اور منفرد تھا دوران سبق طلبہ کے اذھان اور ان کے حالات اور مقتضائے حال کے پیش نظر آپ وقتاً فوقتاً علمی ابحاث کے ساتھ لطائف وظرافت سے محفل کو خوب تازہ رکھتے اور اپنے مخصوص انداز سے اسے باغ وبہار بنا دیتے، سبق جتنی دیر بھی ہوتا طلبہ آخر تک تازہ دم رہتے، حضرت دوران سبق حدیث پر کلام کے ساتھ زمانہ حال کے فتنوں کا بھی خوب تعاقب اور ان کے دلائل کا بڑا زور دار انداز سے رد فرماتے اور کبھی اپنے ذوق اشرفی وامدادی کے مطابق مختلف مکاتب فکر کے اتحاد اور جوڑ پر زور نیز طلبہ کو وسیع الظرفی کا سبق دیتے، طلبہ بھی حضرت سے خوب مانوس ہوجاتے اور ہر طرح کی بات بلاتکلف دریافت کر لیتے حضرت بھی انہیں اپنے جواب باصواب سے مطمئن اور محظوظ فرماتے سبق میں آپ کی آواز دارالافتاء تک پہنچتی تو حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب

ماشاءاللہ خوب زور سے سبق پڑھاتے ہیں ان کی آواز سے ان کے سبق کا پتہ چلتا رہتا ہے۔

حضرت سبق میں طلبہ کا خاص خیال فرماتے تھے احقر پہلی صف میں حضرت کے سامنے ہی بیٹھتا تھا آپ کے بعد ابوداؤد شریف کا سبق ہوتا تھا سہ ماہی امتحان کے قریب حضرت الاستاذ مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم نے داخلہ میں رول نمبر کے مطابق طلبہ کی نشستیں مقرر فرمادیں اس لحاظ سے احقر آخری صف میں پہنچ گیا جب پہلی مرتبہ احقر مسلم شریف کے سبق میں آخری صف میں بیٹھا تو حضرت بڑے حیران ہوئے فرمانے لگے کہ تم آج اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں کیوں بیٹھے ہو احقر نے عرض کیا کہ آپ کے بعد ابوداؤد شریف کا سبق ہوگا اس میں میری نشست پیچھے ہے اس لیے احقر پہلے ہی وہاں بیٹھ گیا تا کہ بعد میں پریشانی نہ ہو، آپ نے فرمایا نہیں یہ غلط ہے میرے سبق میں تمہیں میرے سامنے ہی بیٹھنا ہوگا آخری صف میں بیٹھنے کی اجازت نہیں چنانچہ احقر حسب الحکم پھر بخاری شریف کے درس سے لے کر مسلم شریف کے درس تک اپنی سابقہ نشست پر ہی بیٹھتا رہا یہ حضرت کی عنایت شفقت تھی ورنہ احقر تو صف آخری کے قابل بھی نہ تھا۔

احقر کا عام معمول اسباق میں پابندی سے حاضری کا تھا بغیر کسی معقول عذر کے سبق میں کبھی غیر حاضری یاد نہیں پڑتی ایک روز مسلم شریف کے سبق میں کچھ تاخیر سے پہنچا حضرت اس وقت ملکہ بلقیس کے تخت کے بارہ میں بیان فرمارہے تھے میرے بیٹھتے ہی حضرت نے مجھے دیکھ کر فرمایا عبدالقدوس بتاؤ وہ تخت کتنا بڑا تھا؟ میں نے بغیر سوچے فی البدیہہ کہہ دیا کہ حضرت بہت بڑا تھا، احقر کا یہ فی البدیہہ جواب قدرتی طور پر صحیح تھا اس لیے حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ تمہارا جواب صحیح ہے کیوں کہ قرآن کریم میں اس کے متعلق تصریح ہے ولھا عرش عظیم حضرت سمیت تمام طلبا اس سے بڑے محظوظ ہوئے اور احقر کی بات بن گئی۔

حضرت فی البدیہہ جواب کے بڑے ماہر تھے ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے آپ جامعہ اشرفیہ میں تھے اور احقر سمن آباد میں، میں نے جامعہ میں فون کیا حضرت مولانا اشرفی نے ہی فون اٹھایا احقر نے حضرت والد صاحب کے بارہ میں دریافت کیا فرمانے لگے یہاں نہیں ہیں میں نے کہہ دیا حضرت کچھ دیر قبل تو جامعہ میں ہی تھے فوراً فرمایا

کہ بھائی تمہیں پتہ ہے کہ احناف کے ہاں استصحاب حال حجت نہیں ہے اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہوں حضرت کا جواب فی البدیہہ ہونے کے ساتھ بالکل صحیح وصواب تھا اب احقر کو اپنے جواب کے غلط ہونے پر تنبیہ ہوئی اور میں نے معذرت کی۔

حضرت والد ماجد نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے بعد اپنا اصلاحی تعلق حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب نوراللہ مرقدہ سے قائم کرلیا تھا اس لیے پورے خاندان سے ہی آپ کا تعلق تھا بطور خاص حضرت اقدس مولانا عبیداللہ صاحب دامت برکاتہم سے بچپن کے زمانہ میں تھانہ بھون سے گہرا تعلق تھا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے بھی بڑا تعلق اور بڑی محبت تھی حضرت مولانا بھی آپ کی بڑی قدر فرماتے تھے کئی مرتبہ احقر سے کہا تمہارے والد صاحب سے ہمارا بہت زیادہ اور دیرینہ تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں فقہ میں بڑی مہارت عطا فرمائی ہے بلکہ فقہ توان کے گھر کی لونڈی ہے اس لیے تم ان کی قدر کرو اور ان سے خوب فائدہ اٹھاؤ احقر حضرت والد صاحب سے حضرت مولانا مرحوم کے درسی افادات اور ملاقات ذکر کرتا تو وہ بھی بڑے ہی خوش ہوتے اور آپ کی ذکاوت ذہانت وظرافت اور حاضر جوابی کی بہت تعریف فرماتے ، احقر نے حضرت کے بعض درسی افادات دوران سبق قلم بند بھی کر لیے تھے ان سے احقر کو بہت ہی فائدہ ہوا، چونکہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں اس لیے سردست ان افادات کو نہیں لکھا جارہا اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو کسی وقت انہیں بھی تحریر کردیا جائے گا واللہ الموفق والمعین۔

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے جن کمالات اور خصوصیات سے مالا مال فرمایا تھا ان میں سرور دوعالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطور خاص گہری محبت اور عشق سب سے بڑھ کر معلوم ہوتا تھا، پھر حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سے عقیدت ومحبت بھی آپ کے ہر بیان اور ادا سے ظاہر ہوتی تھی اسی طرح اولیاءِ کرام اور اپنے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ سے عشق ومحبت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی ،فراغت تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند اور دیگر مقامات سہارنپور وتھانہ بھون کا سفر بھی اسی کی کڑی تھی آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی صرف زیارت ہی نہیں کی بلکہ ان سے صحاح ستہ کی اجازت بھی حاصل کی

سہارنپور، جلال آباد اور تھانہ بھون میں بڑی عقیدت سے حاضری دی، طلبہ کو بھی آپ اکابر سے عقیدت و محبت ان سے تعلق اور وابستگی پر بہت زور دیتے تھے۔

آپ نے ساری زندگی قرآن وسنت کی خدمت میں گذاری اور اپنی اولاد کو بھی دین پڑھایا حق تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرماویں اور آپ کے اخلاف کو بھی دین حق کی خدمت کی توفیق سے نوازیں اور انہیں آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ بناویں آمین۔

## جنازہ میں شرکت

حضرت کی وفات کا علم ہوتے ہی طبیعت پریشان ہوگئی اور ساری رات اسی کیفیت میں گزری، اگلے روز برادرم مولانا اشرف علی صاحب زیدمجدہم صدر جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا کے ہمراہ لاہور کا سفر ہوا ظہر پڑھ کر جامعہ میں حاضری ہوئی وہاں بے پناہ ہجوم تھا حق تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ حضرت کا آخری دیدار بھی نصیب ہوگیا اور جنازہ بھی۔ جنازہ آپ کے فرزند گرامی مولانا احمد حسن زیدمجدہم نے پڑھایا جنازہ میں بے پناہ ہجوم آپ کی محبوبیت اور مقبولیت کی واضح علامت ہے۔

جنازہ کے بعد تدفین حضرت اقدس حکیم لامت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی رحمہ اللہ کے بالکل قریب بلکہ پہلو میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرح برزخ میں بھی صالحین کے ساتھ الحاق فرمادیا، حق تعالیٰ اپنی رحمت سے حضرت اور ہم سب کا الحاق آخرت میں بھی صالحین کے ساتھ فرمائیں آمین۔

حضرت کا حادثہ وفات موت العالم موت العالم کا مصداق ہے سب متعلقین واحباب اس سے متاثر ہیں خاص طور پر خاندان کے لیے یہ بڑا صدمہ ہے اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مولانا عبیداللہ صاحب اور حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہما، آپ کی اولاد اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائیں اور آپ کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

احقر عبدالقدوس ترمذی غفر لہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۵/صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

# درس قرآن کریم

ان اللّٰہ لا یستحی ان یضرب مثلاً مابعوضۃً فمافوقھافاماالذین آمنوا فیعلمون انہ الحق من ربھم واماالذین کفروافیقولون ماذاارادالّٰلہ بھذا مثلاً یضل بہ کثیرًاو یھدی بہ کثیرًاومایضل بہ الاالفاسقین،الذین ینقضون عھداللّٰہ من بعد میثاقہ ویقطعون ماامراللّٰہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئك ھم الخسرون۔

ترجمہ: بے شک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے سو جو لوگ مؤمن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی ان کے رب کی طرف سے اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے، گمراہ کرتا ہے خدائے تعالی اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو اور گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں کو جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو اور فساد کرتے ہیں ملک میں وہی ہیں ٹوٹے والے۔

(معارف القرآن)

## تحقیق ضرب المثل

ان اللّٰہ لا یستحی ان یضرب مثلاً مابعوضۃً فمافوقھا ہاں واقعی اللہ تعالی تو نہیں شرماتے اس بات سے کہ بیان کردیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو۔

ف: یعنی حقیر ہونے میں۔فاماالذین آمنوا فیعلمون انہ الحق من ربھم سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یہی یقین کریں گے کہ بے شک یہ مثال بہت ہی موقع کی ہے ان کے رب کی جانب سے۔

ف: وجہ اس کی ظاہر ہے کہ مثال کو مناسبت اس چیز سے ہونا چاہیے جس کی وہ مثال ہے نہ کہ مثال دینے والے سے مناسبت ہونا ضروری کہا جاوے کیونکہ مثال سے غرض کسی شی کی حالت کی توضیح ہوا کرتی ہے سو جب تک اس شی کے مناسب نہ ہوگی اس کی حالت کی توضیح کے لیے کافی نہ ہوگی سو قرآن شریف میں جہاں مکھی مکڑی کا ذکر آیا ہے وہاں بت پرستی کا لچر ہونا اور بتوں کا عاجز درماندہ ہونا بیان کیا ہے سو اس کی مثال میں حقیر وضعیف چیزوں کا لانا مناسب ہوگا یا عرش وکرسی کا لانا زیبا ہوگا جو مناسب عظمت شان حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہے جو مثال دینے والے ہیں جس کو ذرا بھی عقل ہوگی اس کے نزدیک یہ بات بدیہی ہے، اس تقریر سے جوانہ الحق کی تفسیر ہے معترضین کا شبہ کافور ہوگیا اور دعویٰ حقانیت قرآن کا معارض سے سالم ومحفوظ رہا۔

واما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللہ بھذا مثلاً اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں سو چاہے کچھ ہی ہو جاوے وہ یونہی کہتے رہیں گے وہ کون مطلب ہوگا جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے۔

ف: چونکہ غرض اور مقصد ایسی مثال سے کہ توضیح مثال والی چیز کی ہے بہت بدیہی ہے اور وہ لوگ اس سے ناواقف نہ تھے نہ اس غرض سے یہ سوال تھا بلکہ محض شرارت کی راہ سے حکمت مثال کا نفی کرنا اور اس کے ساتھ تمسخر کرنا مقصود تھا اس وجہ سے جواب میں حکمت کا بیان کرنا جس کا بیان انہ الحق میں ہو بھی چکا ہے ضروری نہ ٹھہرا اس لیے اللہ تعالیٰ نے جواب میں دوسرا طرز اختیا فرمایا ہے جس کا اختیار کرنا ایسے ضدی معاند لوگوں کے مقابلہ میں مناسب ہے سو فرماتے ہیں کہ تم یہ پوچھتے ہو کہ ایسی مثالوں کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطلب ہے سو ہم سے مطلب سنو وہ یہ ہے یضل بہ کثیرًا ویھدی بہ کثیرًا گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو۔

(بیان القرآن)

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

# درس حدیث

عن معاذبن جبل قال قال لی رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیہ وسلم مفاتیح الجنۃشہادۃان لاالہ الااللّٰہ۔(رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت معاذبن جبل سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایالا الہ الااللّٰہ کی شہادت دینا جنت کی کنجی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی صرف شہادت توحید کا ذکر ہے اور یہ بھی دعوت ایمان کوقبول کر لینے اوراسلام کواپنا دین بنالینے کی ایک تعبیر ہے،اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ اردو محاورہ میں اسلام قبول کرنے کوکلمہ پڑھ لینے سے بھی تعبیر کردیتے ہیں،جس ماحول اور جس فضا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ہیں اس میں مسلمان بھی اورغیر مسلم کافرومشرک بھی توحیدورسالت کی شہادت اور لاالٰہ الااللّٰہ کی شہادت کا مطلب ایمان لانا اوراسلام قبول کرنا ہی سمجھتے تھے۔

عن ابی ذرقال اتیت النبی صلی اللّٰہعلیہ وسلم وعلیہ ثوب ابیض وھونائم ثم اتیتہ وقداستیقظ فقال مامن عبدقال لاالہ الااللّٰہثم مات علی ذٰلک الادخل الجنۃقلت وان زنٰی وان سرق قال وان زنٰی وان سرق،قلت وان زنٰی وان سرق قال وان زنٰی وان سرق،قلت وان زنٰی وان سرق قال وان زنٰی وان سرق علی رغم انف ابی ذر۔(رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرغفاری سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں (ایک دن)حضور کی خدمت میں پہنچاتو آپ اس وقت سفید کپڑااوڑھے سوئے ہوئے تھے،پھر(کچھ دیر بعد)میں حاضر ہواتو آپ بیدار ہو چکے تھےاس وقت آپ نے فرمایا جوکوئی بندہ لاالٰہ الااللّٰہ کہےاور پھراسی پراس کوموت آجائےتووہ جنت میں ضرور جائے گا،ابوذرکہتے ہیں میں نے عرض کیااگرچہ اس نے

زنا کیاہواوراگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے ارشادفرمایاہاں اگر چہ اس نے زنا کیاہو اگر چہ اس نے چوری کی ہو، (ابوذر کہتے ہیں) میں نے پھرعرض کیااگر چہ اس نے زنا کیاہو اگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے پھر ارشادفرمایا (ہاں) اگر چہ اس نے زنا کیاہو اگر چہ اس نے چوری کی ہو (ابوذر کہتے ہیں) میں نے (پھر تعجب سے) عرض کیا کہ (یارسول اللہ لا الـــہ الا اللّٰہ کی شہادت دینے والا جنت میں ضرور جائے گا) اگر چہ اس نے زنا کیاہواوراگر چہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے پھر ارشادفرمایا (ہاں) ابوذر کے علی الرغم [1] (وہ جنت میں جائے گا) اگر چہ اس نے زنا کیاہواگر چہ اس نے چوری کی ہو۔

**تشریح:** اس حدیث میں بھی لاالــہ الا اللّٰہ کہنے سے مراد پورے دین توحید (یعنی اسلام) پر ایمان لانا اوراس کواختیار کرنا ہےاور بے شک جوشخص اس دین توحید پرصدق دل سے ایمان رکھتا ہوگاوہ ضرور جنت میں جائے گا، اب اگر بالفرض ایمان کے باوجوداس نے گناہ بھی کیے ہوں گےتو اگرکسی وجہ سے وہ معافی کا مستحق ہوگاتو اللہ تعالیٰ گناہوں کومعاف فرما کےبغیرکسی عذاب ہی کےاس کو جنت میں داخل کردے گااوراگر وہ معافی کا مستحق نہ ہوگاتو گناہوں کی سزاپانے کے بعدوہ جنت میں جاسکے گا، بہرحال دین اسلام پرصدق دل سے ایمان رکھنے والا ہرشخص جنت میں ضرورجائے گااگر چہ دوزخ میں گناہوں کی سزابھگتنے کےبعدہی جائے، حضرت ابوذر کی اس روایت کا مطلب اورمفادیہی ہے۔

حضرت ابوذر نے جوبارباراپنا سوال دہرایاتواس کی وجہ غالبًایہ تھی کہ چوری اورزنا کو سخت ناپاک گناہ جاننے کی وجہ سے ان کواس پرتعجب تھا کہ ایسے ناپاک گناہ کرنے والے بھی جنت میں جاسکیں گے، گویااس وقت تک انہیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا، آج ہم جیسوں کوحضرت ابوذر کےاس تعجب اوراس سوال کی وجہ سمجھنااس لیے مشکل ہوگیا ہے کہ ہم نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی ہےاوریہ موٹی موٹی باتیں ہم کوگھروں ہی میں معلوم ہوجاتی ہیں، واللہ اعلم۔

---

(۱) عربی زبان کایہ ایک خاص محاورہ ہےاس کا مطلب یہ کہ اگر یہ کام تمہیں ناگوار بھی ہواورتم اس کاہونا نہ بھی چاہتے ہو جب بھی یہ ہوکررہے گا۔

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

# ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

بقلم: حضرت مولانا حافظ ابرارالحق صاحب حقی تصحیح: مولانا محمد اسعد اللہ رامپوری قدس سرہما

O فرمایا جب کوئی مہمان ہوتا ہے تو میں گھر میں اس کے کھانے کے دام علیحدہ دے دیتا ہوں، میں ہر معاملہ کو صاف رکھنا چاہتا ہوں۔

O فرمایا رسم ورواج ایسی بلا ہے کہ اکابر تک بھی اس میں کسی نہ کسی قدر مبتلا ہوتے ہیں الا ماشاءاللہ، ایک بڑے مدرسہ کا ایک زبردست جلسہ ہوا، دیکھنے والے تجربہ کار اصحاب نے تمیں ہزار آدمیوں کے اجتماع کا اندازہ کیا تھا، میں نے منتظمین کی خدمت میں یہ رائے پیش کی کہ اہل مدرسہ اپنے زیر انتظام کچھ دوکانیں کھلوادیں مختلف کھانے ہروقت تیار رہیں تاکہ ہر شخص کو اس کے مذاق کے مطابق کھانا مل سکے نیز نرخ بھی بلاجبرواکراہ مقرر کرکے دوکانوں پر آویزاں کردیا جائے یا کسی اور طریقہ سے مشتہر کردیا جائے تاکہ کمی بیشی اور مہمانوں کی پریشانی کا احتمال نہ رہے، اہل مدرسہ صرف قیام کا انتظام اپنے ذمہ لیں اور کھانے کا انتظام نہ کریں، آنے والے دوکانوں پر کھالیں اور جولوگ دس دس بیس بیس روپے آمدورفت میں خرچ کرسکتے ہیں ان کو کھانے میں ایک دو روپے کا خرچ کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا اور ادھر مدرسہ کو ایک بڑی رقم بچ جائے گی لیکن میری اس رائے کو تسلیم نہیں کیا گیا اور صرف یہ فرما کر ٹال دیا گیا کہ عرف ومعمول کے خلاف ہے، رواج اس کی اجازت نہیں دیتا ہے، تمیں ہزار کے مجمع کو کئی وقت کھانا کھلایا اور کھانا بھی ایسا لذیذ وعمدہ کہ ایسے ایسے متمول لوگ جن کو اپنے یہاں کے کھانے پر ناز تھا کہتے تھے کہ ہم نے ایسا کھانا کہیں نہیں کھایا تھا، ادھر تو مدرسہ کو زبردست زیرباری ہوئی اور ادھر منتظمین کی ایک بڑی جماعت مواعظ میں شریک نہ ہوسکی حالانکہ جلسہ کا اصل مقصود مواعظ ہی تھے، یہ ہے رواج کی پابندی کا نتیجہ، اسی سلسلہ میں یہ مسئلہ فرمایا کہ زبردستی نرخ مقرر کرنا جائز نہیں ہے ہاں لوگوں کو راحت پہنچانے کے لیے اگر باہمی مفاہمت سے ایسا کردیا جائے تو بہتر ہے، پھر فرمایا میرے

یہاں اب یہ دستور ہے کہ مہمان جتنے دنوں چاہے قیام کریں اپنے کھانے کا انتظام خود کریں گے، ہاں جن سے خصوصیت اور بے تکلفی ہے اور ان کا قیام بھی قلیل ہو یا ان کو انتظام میں دقت ہو تو ان کا کھانا مکان سے آتا ہے، گو میرا یہ دستور رواج کے خلاف ہے لیکن اس میں طرفین کو راحت ہے، مہمان جب چاہیں اور جو چاہیں کھا پی سکتے ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قیام میں آزاد ہیں جتنا جی چاہے قیام کریں ورنہ بہت سے غیور طبع انسان بجائے پندرہ یوم کے پانچ یوم بھی نہ ٹھہر سکتے یوں کہتے کہ مفت کی روٹیاں کھانا یا بار ڈالنا مناسب نہیں نیز جلد جلد آنے کا ارادہ بھی نہ کر سکتے اور ان باتوں سے ان کا دینی نقصان ہوتا، اب الحمدللہ تعالیٰ یہ خرخشے نہیں ہیں، اور میں اس فکر سے آزاد ہوں کہ مہمانوں کے لیے کیا پکا اور کب پکا، کون مہمان موجود ہے، کون غائب ہے، کوئی پرہیزی کھانا تو نہیں کھاتا وغیرہ وغیرہ، اب جس اطمینان کے ساتھ میں دینی خدمات انجام دے سکتا ہوں مہمان نوازی کی صورت میں کہاں ممکن تھا، خصوصاً اس صورت میں کہ مہمان بھی بڑی تعداد میں بکثرت آتے رہتے ہیں، اسی سلسلہ میں فرمایا ایک مرتبہ مدارس عربیہ کی تعطیلات کے زمانہ میں اسی مہمان جمع ہو گئے تھے جن میں اکثریت طلبہ کی تھی میں نے حافظ اعجاز احمد سے جو مہمانوں کو بقیمت کھانا کھلاتے ہیں کہہ دیا تھا کہ ہر طالب علم سے علیحدہ علیحدہ پوچھو کہ کتنا قیام کرنا چاہتے ہو اور تمہارے پاس دام کافی ہیں یا نہیں؟ جس کے پاس خرچ نہ ہو اس کو میرے حساب میں برابر کھلاتے رہو دام میں دوں گا کیونکہ دام دینا آسان ہے انتظام مشکل ہے، اتفاقاً اسی زمانہ میں مولوی حسین احمد صاحب تیتروں سے واپسی میں تھانہ بھون آئے، انہوں نے طلبہ کے مجمع سے جو کہ عموماً ان کے شاگرد تھے فرمایا کہ تم لوگ کیسے لاپرواہ ہو کہ مولانا پر اپنے کھانے کا بار ڈالتے ہو، کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع مجھ کو بھی ہو گئی میں نے مولوی صاحب سے کہا آپ جانتے ہیں کہ میں عرف اور رسم و رواج کا پابند نہیں مجھ کو تنگی ہوتی میں خود انکار کر دیتا، اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے معمولی خدمت کر سکتا ہوں اور طلبہ تو بجائے میری اولاد کے ہیں ان کے حقوق تو اور زائد ہیں آپ کچھ نہ فرمائیں ان کو آزادی سے رہنے دیں۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين (پ ۱۷) ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ انما رحمة مهداة (الحدیث) میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں۔

یا رب صل وسلم دائمًا ابدا علی حبیبك خیرالخلق كلهم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے حالات مبارکہ کا مستند اور صحیح روایات کے ذریعہ اصلی صورت میں مسلمانوں تک خاص طور سے اور تمام عالم میں عام طور پر پہنچانا اور زیادہ سے زیادہ اشاعت کرنا مسلمانوں کی اہم ترین ذمہ داری اور ان کا فریضہ ہے اور تمام مدارس اسلامیہ اور تعلیم و تبلیغ تعلیمی تبلیغی اداروں کا مطمح نظر اور روح یہی سیرت مبارکہ ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس فریضہ کی ادائیگی کا احساس عام طور پر قلوب میں پایا جاتا ہے اور مختلف صورتوں سے سیرت طیبہ کی اشاعت کا اہتمام ہر دور میں تقریر و تحریر کے ذریعہ کیا جاتا رہا ہے۔ اسی معمول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی مختصر طریقہ سے اجمالی تعارف اور سیرت کے ایک دو پہلو ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کو باعث ذخیرہ آخرت اور نافع اور قبول فرمائیں، آمین۔

## سیرت طیبہ کی اہمیت اور ضرورت

اصل مدعیٰ پیش کرنے سے پہلے اس بات کا ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبہ اور اخلاق حمیدہ کا عام مسلمانوں تک پہنچانا ہماری دینی اور دنیوی فلاح اور کامیابی کیلئے نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ مسلمانوں کی دینی ترقی اور منافع تو سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے اور اس کے مطابق عمل کرنے پر موقوف ہیں ہی لیکن چودہ

سو سالہ اسلامی تاریخ نے ہمیں یہ بھی بتلایا ہے کہ دنیوی ترقیات بھی بحیثیت مجموعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء راشدین کی اتباع پر ہی موقوف ہیں، ماضی کے تجربات کے پیش نظر اور خلفاء راشدین کے حالات پر نظر کرتے ہوئے اس کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس موجودہ تنزل وانحطاط کے دور میں بھی اگر اس امت مرحومہ کیلئے موجودہ پستی سے نکلنے اور سنورنے کا کوئی ذریعہ ہے تو وہی اور صرف وہی ہے جس نے اس کو پہلی مرتبہ ذلتوں کی اندھیریوں سے نکالا تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کی اتباع۔

امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے بالکل صحیح اور حقیقت کے موافق فرمایا ہے لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا ما صلح بہ اولھا اس امت کی اصلاح صرف اسی طریقہ میں ہے جس طریقہ میں اس امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔

اسلامی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو بلاشبہ ہر آنکھ والے پر روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کیلئے کسی وقت اور کسی حالت میں بھی وہ طریقہ نافع نہیں ہو سکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء راشدین کے طریقے کے مخالف ہو، سیرت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مخالف سمت چلنے والا ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی — کہ ایں راہ کہ تو می روی بترکستان ست

## موضوع کی وسعت اور تاثیر

سید ولد آدم فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ ایسا وسیع اور ہمہ گیر جامع موضوع ہے کہ اس پر ہر زبان اور نظم ونثر میں اتنی کتابیں اور مقالے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا، اپنے تو اپنے غیروں نے بھی اس موضوع پر خوب خامہ فرسائی کی اور داد تحقیق اور تحسین حاصل کی مگر آخر میں ع لا یمکن الثناء کما کان حقہ (جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے آپ کی تعریف ممکن نہیں ہے) کہہ کر ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (خدا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بزرگ ہیں) کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال اور جاہ و جلال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن وجمال دنیا میں مشہور تھا اور حسن و جمال کے ساتھ شاہانہ جاہ وجلال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، کسی کو یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے۔خدا کی خدائی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کبھی کوئی ایسا انسان پیدا نہیں ہوا اور اب تو ایسا پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

واحسن منك لم ترقط عيني　　　واجمل منك لم تلد النساءُ

خلقت مبرأ من كل عيب　　　كانك قد خلقت كماتشاءُ

میری آنکھ نے آپصلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی عورت نے نہیں جنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی منشاء کے مطابق پیدا کیے گئے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے زلیخا اس کو نسبت اپنے یوسف سے نہ دے

اس پر سر کٹتے ہیں دائم اور اس پر انگلیاں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ لم ار قبله ولا بعده مثله میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا صاحب کمال اور صاحب جمال نہ آپصلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے بعد۔

متنبّی شاعر نے اپنے ممدوح کیلئے بطور مبالغہ کے کہا تھا ؎

مضت الدهور وما اتين بمثله　　　ولقد اتى فعجزن عن نظرائه

زمانہ گزر گیا اس طرح کا نہیں لا سکا (یعنی ماضی میں اس طرح کا کوئی پیدا نہیں ہوا) اور اب یہ آ گیا تو اس کی نظیر سے عورتیں عاجز آ گئیں (یعنی بعد میں ایسا کوئی پیدا نہ ہوگا)

اپنے ممدوح کے حق میں تو شاعر کی یہ گپ شپ ہی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے حق میں یہ عین حقیقت اور واقعہ ہے۔

سیرت طیبہ کے پاکیزہ موضوع کا عجیب اور پر تاثیر ہونا کھلی آنکھوں مشاہدہ سے واضح ہے، سیرت کی کتاب کے پڑھنے والے کے دل پر حضور فداہ روحی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت کی لہریں موجزن ہوتی جاتی ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت (بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ من رآہ بداھۃً ھابہ ومن رآہ معرفۃً احبہ جو آپ کو اچانک دیکھتا وہ خوفزدہ ہو جاتا اور جو آپ کو ملتا جلتا رہتا وہ آپ کو محبوب بنالیتا تھا) اجاگر ہوتی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر تعارف

سب سے پہلے اس مضمون کی پیشانی پر لکھی ہوئی آیت کریمہ وما ارسلنٰك الا رحمۃ للعٰلمین کو بطور تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے اس آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف جس صفت سے فرمایا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعٰلمین ہونا ہے۔

عالمین عالم کی جمع ہے، جس میں ساری مخلوقات انسان، جن، حیوانات، جمادات، سبھی داخل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کیلئے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے، یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی اور زمین پر کوئی اللہ، اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو ان سب چیزوں کی موت یعنی قیامت آجائے گی، اور جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کیلئے رحمت ہونا خود بخود ظاہر ہوگیا، کیونکہ اس دنیا میں قیامت تک ذکر اللہ اور عبادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دم قدم اور تعلیمات سے قائم ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا رحمۃ مھداۃ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی محمد ہے۔اسم مبارک سے بھی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی تعارف ہوتا ہے اور یہ ایسا محبوب نام ہے جو محامد اور تعریفات کا حامل اور جامع ہے، اس کی کسی قدر تشریح ان شاء اللہ آگے آ رہی ہے۔اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت سے اسماء مبارکہ ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت اور محبوبیت بھی واضح ہوتی ہے۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تعارف ایسے ہی اسماء مبارکہ سے کرایا ہے، اور اپنی منقبت بیان فرمائی ہے ارشاد عالی ہے:

انا محمد وانا احمد وانا الماحي الذي يمحو الله بي الكفر وانا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي وانا العاقب والعاقب الذي ليس بعده نبي (بخاری ومسلم) میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور مٹانے والا ہوں، اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو مٹائے گا، اور میں حاشر ہوں سب لوگ میرے قدموں پر اکٹھے کئے جائیں گے، اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کسی کو نبوت نہ دی جائے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت سے اسماء گرامی ہیں مگر اس حدیث میں پانچ ناموں کا ذکر آیا ہے، غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص نام یا انبیاء سابقین کے صحیفوں میں زیادہ مشہور یہی پانچ نام ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الا وانا حبيب الله ولا فخر وانا حامل لواء الحمد يوم القيمة تحته آدم فمن دونه ولا فخر وانا سيد ولد آدم يوم القيمة واول من تنشق عنه القبر واول شافع واول مشفع (مشکوۃ باب الفضائل) یاد رکھو میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا جھنڈا قیامت کے دن اٹھانے والا ہوں گا جس کے نیچے آدم اور اولاد آدم ہوگی اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں اور میں قیامت کے دن ان تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں ہی وہ ہوں جس کی قبر سب سے پہلے کھلے گی اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔

ارشاد ہے: انا نبی الرحمۃ ، میں رحمت کا نبی ہوں۔انا رسول الرحمۃ ،میں رحمت کا رسول ہوں۔نیز ارشاد ہے:انما انا رحمۃ مھداۃ ،میں اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہوں جو اس نے مخلوق کو عطا کی ہے۔وانا اکرم الاولین والآخرین علی اللّٰہ ولافخر ،میری عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پہلے اور پچھلے لوگوں سے زیادہ ہے اور یہ کوئی غرور کی بات نہیں۔

اپنی نبوت کا ملہ عامہ کا تعارف کراتے ہوئے ارشاد ہے:وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون انہ لیس شیٔ من السماء والارض الایعلم انی رسول اللّٰہ الا عاصی الجن والانس۔(دارمی،کنزالعمال،ص۱۰۴،ج۶)اور مجھے سب مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور میرے آنے سے سب نبی ختم کردیے گئے،زمین وآسمان کی ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں مگر نافرمان جن اور انسان (نہیں جانتے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہی کافر اور مسلمان کے درمیان حد فاصل ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اسم مبارک فرق (فرق کرنے والا) بھی ہے،چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:محمد فرق بین الناس (مشکوۃ باب الاعتصام)محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

یہ سب کے سب آپ کے اسماء گرامی ہی ہیں ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف ہورہا ہے،مگر ان میں سے کوئی اسم صفت ہے اور کوئی اسم علم ہے۔

ایک نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حمد ہے حمد اگر چہ مصدر ہے اس کے معنی ستودن (تعریف کرنے کے) ہیں،مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبالغہ کے طور سے اطلاق کردیا گیا،گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی مجسم حمد وثناء ہیں،اسی حمد سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ محمد،احمد،محمود ،حماد لیے گئے ہیں۔

## محمد اور احمد کی مختصر تشریح

محمد کے معنی ہیں،ستودہ،پسندیدہ (تعریف کیا ہوا)اور احمد کے معنی ہیں بہت تعریف کرنے والا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد وثناء کرنے

والے ہیں اور زمین وآسمان میں زیادہ آپ کی تعریف کی جارہی ہے، محمد کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ذات ستودہ صفات جن کے واقعی کمالات اور محاسن کو محبت وعظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے، کیونکہ محمد تحمید کا اسم مفعول ہے اور تحمید باب تفعیل کا مصدر ہے اور باب تفعیل کی وضع ہی مبالغہ اور تکرار کیلئے ہوتی ہے۔

علامہ نوویؒ نے ابن فارس وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو الہام فرمایا اس لئے یہ نام رکھا (شرح مسلم ص ۲۶۱ ج ۲)

یہ دونام قرآن شریف میں بھی مذکور ہیں ارشاد ہے محمد رسول اللّٰہ (پ ۲۶) محمد اللہ کے رسول ہیں، مبشرًا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (پ ۲۸) اور اپنے بعد ایک آنے والے (عظیم الشان) رسول کی بشارت دینے والا جس کا نام احمد ہوگا، دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے خدا تعالیٰ کی اتنی حمد وثناء کی کہ اتنی کسی نے نہیں کی، اس وجہ سے انبیاء سابقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے وجود باجود کی بشارت لفظ احمد کے ساتھ دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سورۃ الحمد عطا کی۔

اور کھانے اور پینے اور سفر سے واپس آنے کے بعد اور ہر دعا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حمد وثناء پڑھنے کا حکم دیا، اور آخرت میں بوقت شفاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر من جانب اللہ وہ محامد اور خدا تعالیٰ کی تعریفیں منکشف ہوں گی کہ جو نہ کسی نبی مرسل پر اور نہ ملک منزل پر منکشف ہوئیں، اسی وجہ سے قیامت کے دن آپ کو مقام محمود اور لواء حمد عطا ہوگا، اس وقت تمام اولین وآخرین جو میدان حشر میں جمع ہوں گے وہ آپصلی اللہ علیہ وسلم کی حمد اور ثناء کریں گے کسی نے کیا خوب کہا۔

مقام تو محمود و نامت محمد　　　　بدینساں مقامے ونامے کہ دارد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محمود اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد ہے، ایسا نام اور مقام کون رکھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حمد کے تمام معانی اور انواع واقسام آپصلی اللہ علیہ وسلمکیلئے خاص کردیے گئے ہیں۔

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی طرف اشارہ

اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام کے ختم کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پسندیدہ اور مستحسن ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وقضی بینھم بالحق وقیل الحمد للّٰہ رب العلمین (پ۲۴) ان کے درمیان حق کا فیصلہ کردیا گیا اور کہا گیا الحمد للّٰہ رب العلمین۔

وآخر دعواھم ان الحمد للّٰہ رب العلمین (پ۱۱) اہل جنت کی آخری دعا یہ ہوگی الحمد للّٰہ رب العلمین۔

فقطع دابر القوم الّذین ظلموا والحمدللّٰہ رب العلمین (پ۷) ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی الحمدللّٰہ رب العلمین۔

کلوامن رزق ربکم واشکروا لہ (پ۲۲) اپنے رب کے رزق کو کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر کی تفسیر حمد سے کی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے افضل الشکر الحمد للّٰہ سب سے افضل شکر الحمدللہ (کہنا ہے)۔

اور کھانے کے بعد الحمدللہ پڑھنے کی کثرت سے تاکید آئی ہے۔

جب سفر ختم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھتے:

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون ہم اللہ کی طرف رجوع ہونے والے توبہ کرنے والے اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والے حمد وثناء کرنے والے ہیں۔

اور جب نماز ختم ہوتی تو یہ آیت شریفہ پڑھتے سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العلمین (پ۲۳) آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

غرضیکہ آیات واحادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حمد کسی شے کے اختتام ہی کے

بعد ہوتی ہے،اسی لئے حق تعالیٰ جل شانہ نے آپصلی اللہ علیہ وسلمکا نام محمد اوراحمد رکھا تا کہ انقطاع وحی اورنبوت ورسالت کے اختتام کی طرف اشارہ ہو(ماخوذازسیرت المصطفیٰ )

## خصوصی شان خاتمیت کی مزید وضاحت

خاتم النبیین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص شان اورتمام انبیاءعلیہم السلام پرآپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فائق ہوناواضح کیا گیا ہے۔

امام راغب نے مفردات القرآن میں فرمایاہے: وخاتم النبوة ای تممها بمجیئه یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلمکو خاتم نبوت اس لئے کہا گیا کہ آپصلی اللہ علیہ وسلمنے اپنے تشریف لانے پرنبوت کوختم اورمکمل کردیا۔

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جوتمام کمالات نبوت ورسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ فضیلت اورخصوصیت کوظاہرکرتی ہے،کیونکہ عموماًہرچیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہےاورانتہاء پرپہنچ کراس کی تکمیل ہوتی ہےاور جوآخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصود ہوتا ہے،قرآن کریم نےخودواضح کردیا ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (پ٦) آج میں نےتمہارے دین کومکمل کردیااوراپنی نعمت تم پرپوری کردی ہےاورتمہارے لئے اسلام کوپسند کرلیا۔

انبیاء سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے کوئی ناقص نہ تھا، لیکن کمال مطلق اسی دین مصطفوی کوحاصل ہوا جواولین وآخرین کیلئے حجت،اورروزقیامت تک چلنےوالادین ہے(ازسیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم)

## عقیدہ ختم نبوت

یہ اسلام کےان اساسی عقائد میں سے ہےجس کےبغیرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمپر ایمان مکمل نہیں ہوتا، اوراس پرایمان کا دارومدار ہے،چنانچہ علامۃ السید احمد بن محمد اسماعیل الطحاوی الحنفی متوفی ١٢٣١ھ فرماتے ہیں:

ویشترط لصحۃ الایمان بہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم معرفۃ اسمہ اذلاتتم المعرفۃ الا بہ وکونہ بشرا من العرب وکونہ خاتم النبیین اتفاقاً لورود ذالک بالقواطع المتواترۃ (حاشیہ مراقی الفلاح ص ۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے صحیح ہونے کے لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نام مبارک جاننا کیونکہ پہچان بغیر نام کے پوری نہیں ہوتی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلمکو کامل ترین انسان ماننا، پھر سب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرنا اہم شرائط ہیں (جن کے بغیر کسی طرح بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا) چونکہ یہ قطعی متواترات سے ثابت ہے۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خاص فضائل

ختم نبوت ورسالت،عموم بعثت ودعوت،مقام محمود،شفاعت کبریٰ،معراج سبع سماوات،وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص فضائل اور ایسے مزایا ہیں جن سے سوائے آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے اور کسی نبی کو سرفراز نہیں کیا گیا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون (مشکوۃ باب الفضائل) مجھے چھ چیزوں کے ساتھ انبیاء پر فضیلت دی گئی، مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے اور رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی، اور میرے لئے مال غنیمت حلال کردیا گیا، اور میرے لئے تمام زمین کو مسجد اور پاک کرنے کا ذریعہ بنادیا گیا، اور مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا، اور مجھ پر تمام نبیوں کو ختم کردیا گیا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ آیات بینات،محاسن اخلاق،فضائل وشمائل،علوم ومعارف،عطا فرمائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص ہیں کسی اور نبی ورسول کو عطا نہیں فرمائے گئے،خصوصاً قرآن کریم کا معجزہ تو ایسا روشن معجزہ ہے کہ جس کے سامنے موافق ومخالف سب ہی کی گردنیں خم ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سب سے بڑا علمی معجزہ قرآن کریم ہے،یہ

معجزہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے بڑھا ہوا ہے، ایسا معجزہ اور کسی پیغمبر کو عنایت نہیں ہوا، سب انبیاء و مرسلین کے معجزے ایک خاص وقت میں ظاہر ہوئے اور معجزہ قرآن ایسا معجزہ ہے جس کی جانب زوال وانقطاع کو راہ نہیں، ابتداء نزول سے لے کر اب تک اسی طرح بلا تغیر وتبدل اور بلاکم وکاست باقی اور محفوظ ہے، اور یہ معجزہ تا قیام قیامت اسی طرح باقی رہے گا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔(از سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

## مقصد ختم نبوت

غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں خصائص نبوت اور دلائل رسالت تمام انبیاء سے زیادہ صاف اور روشن ہیں، اور روایات کے لحاظ سے سب سے زیادہ صحیح اور شبہات سے نہایت درجہ بعید بلکہ پاک اور منزہ ہیں۔

نبوت ورسالت کا سب سے اہم اور اعظم پہلو وہ دینی عقائد اور عبادات اور آداب واخلاق اور احکام ومعاملات کا معاملہ ہے، دوسرا پہلو دلائل نبوت اور براہین یعنی معجزات کا ہے۔تیسرا پہلو پیشگوئیوں کا ہے۔چوتھا پہلو اصلاح عالم کا ہے۔پانچواں پہلو اثر ہدایت کا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچوں باتوں میں تمام انبیاء اور مرسلین سے بڑھ کر ہیں۔

## بعثت انبیاء کی ضرورت اور مشروعیت جہاد فی سبیل اللہ کی حکمت

حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا مبعوث ہونا حق تعالیٰ جل وعلیٰ شانہ کی ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ ہر بن مو کی اگر زبان بن جائے تو بھی کسی طرح اس نعمت کبریٰ کا شکر ادا نہیں ہوسکتا، اگر ان حضرات کا وجود نہ ہوتا اللہ جل شانہ کی ذات وصفات کی ہم گمراہوں کو کون ہدایت کرتا اور مولائے حقیقی کی مرضیات اور نامرضیات سے ہم کو کون آگاہ کرتا، اور اس معبود برحق کی عبادت اور بندگی کے طریقے کون سکھاتا، ہدایت اور ضلالت، سعادت اور شقاوت کا فرق کون سمجھاتا، معاش اور معاد اور دین اور دنیا فقیری اور حکمرانی اور عدل عمرانی کی راہیں ہم کو کون سمجھاتا، مسجد کا امام بھی ہو اور امیر مملکت بھی ہو یہ امر سوائے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے کوئی نہیں بتلاسکتا، ہماری ناقص عقلیں بغیر نور نبوت کی راہنمائی اور رہدایت کے بالکل

معطل اور بے کار ہیں، نور عقل وبصیرت سے حق وباطل کا فرق جب ہی نظر آ سکتا ہے کہ جب نورنبوت اور شمع ہدایت اس کی ہادی اور راہنما ہو ضلالت وگمراہی کی شب تاریک میں عقل کی روشنی کام نہیں دیتی اس کے ساتھ نورنبوت کی ضرورت ہوتی ہے، عقل بھی اگر چہ حجت ہے مگر ناتمام ہے، حجت تو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت ہے جس پر آخرت کے دائمی عذاب وثواب اور جزاوسزا کا مدار ہے، عقل محض خداوند ذوالجلال کے اسماء حسنیٰ اور صفات اعلیٰ اور اس کی مرضیات اور نامرضیات کو بغیر حضرات انبیاء علیہم الف الف صلوات اللّٰہ کی تعلیم وارشاد کے ہرگز نہیں پہچان سکتی۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس سلسلہ بعثت انبیاء علیہم السلام کا آغاز فرمایا اور آپ کے بعد بندوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے پیغمبر بھیجے تاکہ لوگوں کو مولائے حقیقی کی اطاعت کی دعوت دیں اور اس کی نافرمانی سے روکیں، مطیع اور فرمانبرداروں کو جنت کی بشارت سنائیں، نافرمانوں اور سرکشوں کو جہنم سے ڈرائیں، جو سعید اور خوش نصیب تھے انہوں نے اس نعمت کبریٰ کی قدر کی اور خود کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے فرمودات اور ارشادات کے تابع کردیا، اور جو بے نصیب تھے انہوں نے اس نعمت کبریٰ کی ناقدری کی اور احکامات شرعیہ اور اوامر الٰہیہ کی بجاآوری کی بجائے نفسانی خواہشات کی پیروی کی اور اغوائے شیطانی سے انبیاء علیہم السلام کے انکار وتکذیب بلکہ دشمنی اور مقابلہ پر اتر آئے، انبیاء علیہم السلام عرصہ دراز اور مدت مدید تک ان کو شفقت ومہربانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے اور اپنی مخلصانہ نصائح اور مشفقانہ مواعظ سے امت کی اصلاح میں سعی بلیغ کرتے رہے، مگر بدنصیب اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کے بجائے دور ہی ہوتے چلے گئے۔ جب ان سرکشوں کی شرارت بڑھتی چلی گئی اور خدا تعالیٰ کے پرستاروں کو خدا تعالیٰ قدوس کا نام لینا دشوار ہوگیا اور انبیاء اللہ اور ان کے اصحاب اور متبعین کے تکلیف اور تعذیب اور استہزاء اور تمسخر پر تل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا میں طرح طرح کے عذاب نازل فرمائے، عذابوں سے مومنین کو تو بچایا اور منکرین ومکذبین کو ہلاک وبرباد کیا۔

غرضیکہ جب سے خداوند عالم کی نافرمانی اور اس احکم الحاکمین اور نائبین یعنی انبیاء مرسلین صلوات اللہ السلام اجمعین سے بغاوت اور سرکشی کا سلسلہ جاری ہے اسی وقت سے ان مکذبین کی تعذیب اور بربادی اور قسم قسم کے عذابوں سے ان کی ہلاکت اور رسوائی کا سلسلہ بھی جاری ہے جو عین حکمت اور عین مصلحت ہے۔ پس جس طرح پہ آسمانی اور زمینی عذاب ملائکۃ اللہ کے ہاتھوں سے دیا جاتا تھا اور عین حکمت و مصلحت تھا اسی طرح خود حضرات انبیاء و مرسلین اور ان کے اصحاب و متبعین کے ہاتھوں سے بھی منکرین اور مکذبین کو عذاب دینا عین حکمت و صواب ہے اور جہاد میں یہی ہوتا ہے کہ منکرین اور مکذبین کو انبیاء اور ان کے متبعین کے ہاتھوں عذاب اور سزا میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم (پ۱۰) ان سے قتال کرو تاکہ اللہ ان کو عذاب دے تمہارے ہاتھوں سے۔ بلکہ فرشتوں کی بجائے انسانوں کے ہاتھوں سے جہاد و قتال کی شکل میں عذاب الٰہی کا ظہور ایک خاص رحمت ہے، اس لیے کہ فرشتوں کے ذریعہ سے جن امتوں کو ہلاک کیا گیا ان کو مہلت نہیں ملی اور جن امتوں سے انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین نے جہاد و قتال کیا ان کو مہلت ملی، چنانچہ بہت سے لوگوں نے تائید ربانی اور حمایت رحمانی دیکھ کر حق کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور حق کو قبول کرلیا۔

## مشروعیت جہاد کی ایک اور حکمت

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولو یشاء اللہ لا نتصر منھم ولکن لیبلو بعضکم ببعض (سورۃ محمد پ۲۶) اگر اللہ چاہتا تو ان سے (خود ہی آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ) انتقام لے لیتا پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو۔

اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں کفار سے جہاد وقتال کی مشروعیت درحقیقت ایک رحمت ہے کیونکہ وہ آسمانی عذابوں کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر وشرک اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے، امت محمدیہ میں ایسا ہوسکتا ہے مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس امت کو ایسے عذابوں سے بچالیا گیا

اوراس کے قائم مقام جہادِ شرعی کو کردیا گیا جس میں بہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں ،اول تو یہ کہ عذاب عام میں پوری قوم میں مرد،عورت ،بچے ،سبھی تباہ ہوتے ہیں اور جہاد میں عورتیں بچے تو مامون ہیں ،مرد بھی صرف وہی اس کی زد میں آتے ہیں جواللہ کے دین کی حفاظت کرنے والوں کے مقابلہ پر قتال میں آ کھڑے ہوں ،پھراس میں بھی سب مقتول نہیں ہوتے ان میں بہت سے لوگوں کو اسلام وایمان کی توفیق نصیب ہوجاتی ہے ۔نیز جہاد کی مشروعیت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد وقتال کے دونوں فریق مسلمان اور کافر کا امتحان ہوجاتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی جان ومال نثار کرنے کو تیار ہوجاتا ہے اورکون سرکشی اور کفر پر جمارہتا ہے یا اسلام کے روشن دلائل کو دیکھ کر اسلام قبول کرلیتا ہے ۔(معارف ص ۳۰ ج ۸ )

## مشروعیت جہاد بھی نبی رحمت کی عالمگیر رحمت کا ہی ایک رحیمانہ پہلو ہے

سابقہ تحریر سے اجمالی طور پر مشروعیت جہاد کی ضرورت اور بعض حکمتوں کا علم ہو کر ناظرین پر یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ اسلام میں جہاد کی مشروعیت بھی نبی رحمت کی عالمگیر رحمت کا ہی ایک رحیمانہ پہلو ہے ،اور یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کی وسعت اور ہمہ گیری ہی کا کرشمہ ہے ،کہ پہلی امتوں پر ہلاکت کی جو مختلف صورتیں بطور عذاب کے آیا کرتی تھیں ان کی بجائے جہاد وقتال کی شکل میں عذاب الٰہی کا ظہور رہوا ۔اول تو پہلے عام عذابوں کی بہ نسبت جہاد کی مشروعیت ہی ایک خاص رحمت ہے ،پھر عین جہاد بھی اپنے مخالف برسر پیکار دشمنوں کے ساتھ رحم کا سلوک کیا جاتا ہے اوران کے مثلہ وغیرہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی اور فتح حاصل کرنے کے بعد بھی کافروں کو اپنے مذہب پر رہتے ہوئے اس سایہ رحمت میں زندگی بسر کرنے کی اجازت اسلام نے دی ہے ۔

## اسلامی حکومت میں رہنے والے کافروں کے ساتھ سلوک

غیر مسلم جو اسلامی حکومت میں رہتے ہوں وہ از روئے احکام اسلام عداتی اور شہری احکام میں مسلمانوں کے برابر ہیں ان کی جان اور مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری اوراس کا فرض ہے بشرطیکہ وہ غداری اور خفیہ سازشیں نہ کریں دشمن اور غیر دشمن محارب و غیر محارب کے احکام میں فرق کرنا تمام عقلاء کے نزدیک مسلّم ہے (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ )

غرضیکہ کفر وشرک کو مٹانے کیلئے کفار کو پست کرنا اوران کے مقابلہ میں جہاد کرنا بھی عین رحمت ہے جس کے ذریعہ سرکشوں کو ہوش آ کر ایمان اور عمل صالح کا پابند ہو جانے کی امید کی جاسکتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا رحمة مهداة یرفع قوم و خفض آخرین (ابن کثیر) میں اللہ تعالی کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تا کہ (اللہ تعالی کے ماننے والی) ایک قوم کو سر بلند کردوں اور دوسری قوم (جو اللہ کا حکم ماننے والی نہیں) کو پست کردوں۔

## مشروعیت جہاد کی ایک اور حکمت

قرآن کریم میں جہاد وقتال کی حکمت کا اوراس کا بیان ہے کہ یہ کوئی نیا حکم نہیں پچھلے انبیاء اوران کی امتوں کو بھی قتال کفار کے احکام دیے گئے ہیں اوراگر ایسا نہ کیا جاتا تو کسی مذہب اور دین کی خیر نہ تھی سارے ہی دین ومذہب اوران کی عبادت گاہوں کو گرادیا جاتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں حق تعالی کا ارشاد ہے: ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع و صلوٰت و مسٰجد الایۃ (پ ۱۷) اوراگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالی لوگوں کا ایک دوسرے سے زور نہ گھٹا تا رہتا تو نصاری کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کفار سے قتال کے احکام نہ آتے اور جہاد مشروع نہ ہوتا تو کسی زمانہ میں بھی کسی مذہب وملت کیلئے امن کی جگہ نہ ہوتی۔ معلوم ہوا کہ جہاد کی مشروعیت کی ایک حکمت امن عالم کا قیام اور تحفظ شعائر اسلام بھی ہے تا کہ مسلمان عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور امن وعافیت کے ساتھ خدا کی عبادت اوراطاعت کرنے میں کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے، اسلام کافروں کی ایسی شوکت وغلبہ کا مخالف ہے کہ جو اسلام اوراہل اسلام کے لئے خطرہ کا باعث ہو اوران کی عزت نفس اس سے مجروح ہوتی اور مذہبی آزادی میں خلل آنے کا خطرہ، ہو اسی لئے وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله (پ ۹) میں فتنہ سے

کفر کی قوت وشوکت کا فتنہ مراد ہے۔اور ویکون الدین کلہ للّٰہ سے دین کا ظہور اور غلبہ مراد ہے اسی کو دوسری آیت لیظھرہ علی الدین کلہ ، میں بیان فرمایا گیا ہے یعنی دین کو اتنا غلبہ اور قوت حاصل ہو جائے کہ کفر کی طاقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے ، اور دین اسلام کو کفر کے فتنہ اور خطرہ سے بالکلیہ اطمینان حاصل ہو جائے ۔حضرت اقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہ پہلو نہایت وسیع ہے حقیقت جہاد اور اغراض کے علاوہ جہاد کے اقسام اقدامی ،دفاعی ،اسلام اور جبر ،اور مسئلہ غلامی وغیرہ مختلف عنوانوں پر پھیلا ہوا ہے۔

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت دلیل نبوت ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمکی صورت اور سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثال اخلاق فاضلہ اور اعمال حسنہ وجمیلہ ،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات علمیہ وعملیہ میں اہل عقل کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلمکی نبوت ورسالت کی دلیل عقلی تھی جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت کا مشاہدہ کرتا وہ بالبداہت اس بات کا یقین کر لیتا کہ جس ذات بابرکات میں ایسے اخلاق اور ایسے اعمال اور ایسے کمالات علمیہ وعملیہ جمع ہوں جو نہ کسی نے دیکھے ہوں اور نہ سنے ہوں وہ ذات بلاشبہ برگزیدہ خداوندی ہے جس کو حق تعالیٰ نے تمام عالم سے ایک ممتاز اور جدا صورت اور سیرت پر پیدا کیا ہے ۔

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او      برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او
مشرق صبح وجود ما سوا مشکوٰۃ او      مستنیر از طلعت او ہر قریب وہر بعید

(از حضرت علامہ محمد انور شاہ الکشمیری رحمہ اللہ)

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین ۔آمین

کتبہ الاحقر الافقر السید عبدالشکور الترمذی الراجی رحمۃ ربہ الغفور الرحیم وبشفاعۃ نبیہ الکریم والہ واصحابہ اجمعین ،برحمتک یا ارحم الراحمین ۔

۵ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ ۱۴را کتوبر ۱۹۹۱ء

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

## ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نظریات پر

# ایک تحقیقی نظر

## پیش لفظ

از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

حامداً ومصلیاً ومسلماً امابعد: حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی ضاعف اللہ علومہ وفیوضہ کا رسالہ ''ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریات پر ایک تحقیقی نظر'' میں نے اول سے آخر تک بہت غور سے پڑھا نہایت حق وصحیح پایا۔

مولانا مودودی صاحب بڑے ادیب بڑے انشاء پرداز بڑے قادر الکلام نہایت عمدہ وشستہ اردو لکھنے والے ہیں مگر افسوس کہ انگریزی تعلیم سے یورپ کا اثر دل ونظر میں جم گیا اور عربی زبان وعلم کسی دینی ماحول میں حاصل نہ ہوسکا نہ کسی اہل دل بزرگ کی صحبت میسر آسکی جو کونوا مع الصادقین کا کرشمہ دکھلا دیتی تو ایسے علم والوں کا جو حال ہوا کرتا ہے وہ ہونا لازم تھا کہ یورپ سے مرعوبیت اور ان کے نظریات وخرافات اول دن سے دل نشین رہے۔

اب علوم دینیہ کے مطالعہ سے اگر تاویلات کا راستہ کہیں ذرا سا بھی مل گیا تو آسانی سے انہی پر اسلام کو چسپاں کرلیا جیسے عام گریجویٹ عربی شدھ بدھ کے بعد کیا کرتے ہیں۔ اور اگر بالکل راستہ نہ مل سکا تو درمیان درمیان کی راہ تلاش کرلی اور اگر یہ بھی راہ نہ ملی تو کہیں کہیں عام مسلمانوں کی بات کو بھی اختیار کرلیا گیا یہ عام طریقہ ہورہا ہے اور ہر نیا فرقہ اس راہ پر چل رہا ہے مگر اس میں سب سے زیادہ رکاوٹ تو تصوف سے پیدا ہوتی نظر آتی ہے کہ وہاں ہر ہر مستحب کا بھی بہت اہتمام ہے اس میں تو بہت کام کرنا پڑتا ہے اور رہر ہر قدم پر قدغن لگتا ہے اس لیے ہر ایسا شخص اول درجہ میں تصوف کا ہی دشمن نظر آئے گا۔

اس کے ترک کرانے اور نفرت دلانے کا حربہ چند رسوم کو بنایا جاتا ہے جن کو بعض

ناواقفوں نے تصوف نام دے کر کرنا شروع کر رکھا ہے اور یہ اس بہانہ سے اس تصوف کو جو دین قویم کا باطنی وقلبی جزاور کمال دین داری کا ذریعہ ہے خلاف اسلام عجمی سازش وغیرہ کہہ کر پروپیگنڈہ میں بُرا قرار دیتے ہیں اور تمام دینی بندشوں سے رہائی کا راستہ نکال لیتے ہیں۔

اس کے بعد ان تمام فقہاء کے فقہ سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو ہر ہر مسئلہ کا جزیہ قرآن وحدیث سے اخذ کر کے رکھ چکے ہیں ان کے بعد من مانی کرنی مشکل ہوتی ہے ہر جگہ مسئلہ آڑے آجاتا ہے دوسرے درجہ میں اس سے دشمنی پیدا ہوتی ہے پروپیگنڈہ میں اس کو لوگوں کی رائے کا مجموعہ کہہ کر اس سے نفرت پھیلائی جاتی ہے حالانکہ فاعتبروا حکم کی تعمیل علت کے مشترک ہونے پر حکم کو عام کرنے کا کام اور آیت وحدیث کے مفہوم کا عموم ظاہر کرنا ہے۔

**خطرہ عظیم:** اب اگر مودودی صاحب نبوت کا دعویٰ کریں تو تنخواہ خور مریدفوراً ایمان لانے کو تیار ہیں ورنہ کسی آدمی کی رائے دین الٰہی کیسے قرار دی جاسکتی ہے اس سے نفرت ظاہر کر کے سینکڑوں حرام کاموں کو حلال کہہ کر خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔

ان دونوں سے نمٹنے کے بعد تیسرے درجے میں حدیث شریف کا انکار آ گیا وہ بھی بہت سی یورپی دل نشین باتوں میں حارج ہوتی تھی حالانکہ ان میں تمام قرآنی احکام کی توضیحات وتفصیلات اور ڈیڑھ ہزار سال سے بالاجماع راہنمائی کرنے والی ہیں مگر من مانی باتوں سے روکتی ہیں۔

ان سے نفرت پھیلانے کا بہانہ یہ بنایا کہ بعض چند موضوع بھی ہیں اور جو قرآن کے خلاف ہے اس کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ ممکن ہی نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح کلام خدا کے کلام کے خلاف ہو، یہ صرف عقل کی خرابی یا محض پروپیگنڈہ ہے۔

بعض اور ہوشیار نکلے تو کہہ دیا کوئی ارشاد نبوی ہونے کی حیثیت سے ہے، کوئی انسان ہونے کی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات نبی تھے بعض اوقات نبی نہیں تھے بلکہ صرف انسان تھے اور خود کو اصل قرار دینے کے لیے کہہ دیا کہ مزاج شناس نبوت امتیاز کرے گا، یعنی جس کو یہ نبی کا قول کہہ دیں وہ نبی کا جس کو انسان کا کہہ دیں وہ نبی کا قول نہیں، حدیث نہیں۔ بعض نے اسلام کی جڑ ہی کھوکھلی کرنا شروع کر دی کہ جن صحابہ کے ذریعہ قرآن وحدیث اور سارا دین

آیا ہے وہ قابل اعتماد نہیں سب مشکوک اور اسلام ختم۔

مگر قرآن مجید کا انکار کرنے میں بعض اہل عقل اور خصوصاً عام لوگ مسلمان قرار نہیں دے سکتے اس لیے صاف انکار تو مناسب نہ ہوا، یوں اس کو بالائے طاق کر دیا کہ جس لفظ کا جو مفہوم تجویز کر لیا اس کو خدائی حکم کہہ دیا اس طرح گریجویٹوں نے اسلام ختم کرنے کی ٹھانی ہے۔

یورپ نے مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے جو حربے استعمال کیے ہیں یہ ان میں سب سے چلتا ہوا حربہ ہے کہ دشمن قوم کی بات وہ اثر نہیں کر سکتی جتنی مسلمان کہلانے والوں کی بات اثر کرے گی چند نمونے ہمارے ملک میں سامنے آ چکے ہیں یورپ کا یہ حربہ روپ بدل بدل کر آ رہا ہے کیونکہ سکول کالج اور ان سے نکلے ہوئے ہر دفتر و کاروبار میں لوگ پہلے سے ہی ایسے مزاج کے بن چکتے ہیں اور دینی علم سے خالی ہوتے ہیں ہر نیا فرقہ انہی کو اپنی آماجگاہ بناتا ہے پھر ان سے سارے ملک میں پھیلنے کا سامان ہوتا ہے یہ ایک علامت ہر باطل فرقے کی بن گئی ہے۔

مولانا مودودی کے فرقہ میں بھی یہی باتیں ہیں اگرچہ بعض فرقے ان سے کہیں آگے نکل چکے ہیں، ان میں ان سے بہت کم کم ہیں مگر پھر بھی بہت ہیں اور یہ فرقہ بہت سے خلاف اسلام مسائل میں اہل حق کی طرف سینہ سپر بھی ہے اگر یہ فرقہ یورپی باریک اثرات سے پاک ہوتا یا اب ہو جائے اور دین دار علماء سے معلوم کر کر کے اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کر لے تو واقعی ایک صالح جماعت بن سکتی ہے اور تمام علماء حق کی معیت میں ملک وملت کے لیے کارآمد ہو سکتی ہے اور پھر متفقہ جدوجہد بھی خلاف اسلام امور میں بہت طاقتور بن سکتی ہے۔

مولانا ترمذی نے یہ چند نمونے پیش کر دیے ہیں واقعی یہ سب اور ان جیسے امور ان کی پیشانی پر ہمیشہ کے لیے داغ بن رہے ہیں کاش ان حضرات کو اپنی اور سب کی عاقبت کی فکر ہو ایسا نہ ہو کہ عمدہ کاموں کے ساتھ بد امور مل کر قیامت میں بد کا پلہ بھاری کر دیں سب حضرات ان کے لیے بھی اور اپنے لئے بھی دعائیں کریں اور بار بار اور خوب خوب کریں کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں ہم کو ان کو راہ راست کی توفیق عطا فرمائیں۔ والسلام جمیل احمد تھانوی

مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۸۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد و الصلوۃ : ناظرین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ زیر نظر کتابچہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بعض ان خاص نظریات پر بے لاگ تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے جو اس وقت ملت کے انتشار و اختلاف کا سبب بنے ہوئے ہیں، اگرچہ اس سلسلہ میں اس وقت تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے جو اپنی جگہ پر ضروری اور مفید ہے، دل چاہا اور بعض احباب نے بھی اصرار کیا کہ مودودی صاحب کے مخصوص نظریات پر اختصار کے ساتھ ایسے طرز سے نظر ڈالی جائے جس میں طعن و تشنیع سے پرہیز کیا گیا ہو اور لب و لہجہ تحقیقی ہوتا کہ ہر غیر جانبدار اور منصف مزاج اس پر غور کر سکے اسی مقصد کے پیش نظر یہ تحریر لکھی گئی ہے، اس تحریر میں چونکہ اختصار بھی مدنظر ہے اس لئے مودودی صاحب کے چند ہی نظریات زیر بحث لائے گئے ہیں، اور تطویل کی وجہ سے ان کے بہت سے خصوصی نظریات کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ اگر اس کو بغور اور بنظر انصاف ملاحظہ کیا جائے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اسی کے ملاحظہ سے یہ حقیقت کسی حد تک واضح ہو جائے گی کہ مودودی صاحب کے ساتھ علماء کرام کو اختلاف کیوں ہے اور اس اختلاف کے بہت سے اسباب کا علم ہو جائے گا، اس تحریر کے وقت دوسری تحریرات کے علاوہ میرے سامنے خصوصیت سے ''بے باک محاسبہ'' بھی ہے۔

## مودودی صاحب کا تعارف

مودودی صاحب کے متعلق یہ تو سب کو معلوم ہے کہ تحصیل علوم دینیہ میں آپ کسی مستند مکتب فکر کے سند یافتہ نہیں ہیں، نہ تو آپ سند یافتہ عالم دین ہی ہیں اور نہ ہی انگریزی کی کسی ممتاز ڈگری کے مالک ہیں، جو کچھ معلومات ہیں زیادہ تر ان کا دارومدار ان کے ذاتی مطالعہ پر ہی ہے چنانچہ اس کے متعلق خود مودودی صاحب کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

''مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے، میں بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید و قدیم دونوں طریق ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے، اور دونوں کوچوں کو چل پھر کر دیکھا ہے'' (ترجمان القرآن ماہ ربیع الاول ۵۵ھ)

لطیفہ: ناظرین کرام اس لفظ "کچھ کچھ" کو آپ بھی کچھ سمجھے؟ اس کا مطلب شاید کچھ مولوی، اور کچھ مسٹر ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص کچھ مسٹر اور کچھ مولوی ہو وہ کیا کچھ ہوگا، جدید وقدیم طریق ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پانے والے یہ "کچھ مسٹر" اور "کچھ مولوی" پہلے پہل تو "معمولی عربی دان" اور "معمولی انگریزی دان" کی حیثیت سے اخبارات میں مضمون نویسی کا کام کرتے رہے اسی سلسلہ میں آپ "جمعیت علماء ہند" کے اخبار "الجمعیۃ دہلی" میں بھی ملازم رہ کر اخبار "الجمعیۃ" کی پالیسی کے مطابق مضامین تحریر کرتے رہے، پھر آپ حیدرآباد دکن تشریف لے گئے وہاں "ترجمان القرآن" جاری کیا، دکن میں علم دین کا چرچہ کم کم تھا، جو تعلیم یافتہ تھے انگریزی تعلیم کی وجہ سے دین سے ناواقف یورپ کے دل دادہ خالی الذہن تھے، وہاں میدان خالی نظر آیا مگر وہاں عوام مذہبی لوگ تھے کو غلط رویہ کے زیادہ تھے، وہاں ترجمان القرآن کو حسب مراد ترقی نہ ہوئی، پنجاب کی سرزمین اس کے لئے موزوں معلوم ہوتی تھی، اردو اچھی لکھنے والے انشاء پرداز ہشیار کو صرف قابل زمین کی ضرورت تھی، وہاں سے ہندوستان کے مردم خیز علاقے ضلع گورداسپور کے قصبہ پٹھان کوٹ میں تشریف لا کر خان بہادر جناب چودھری نیاز علی صاحب کے مکان پر فروکش ہوگئے اور انگریزی "دارالکفر" کے اندر پٹھان کوٹ میں دارالاسلام اور بیت المال قائم کر کے قوم کی خدمت اور رہنمائی میں مصروف ہوگئے۔

کافر حکومت میں دارالاسلام اور بیت المال کیا حیثیت رکھ سکتا ہے، اس کو سب جانتے سمجھتے ہیں، مگر چودھری صاحب علم دین سے کم واقف ہونے کی وجہ سے مودودی صاحب کے اس چکر میں آ گئے، اور ساتھ ہی علماء دین اور خادمان اسلام کے خلاف تحریرات کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، انگریزی تعلیم یافتہ کی دین سے نفرت کے دور میں یہ حربہ چلتا ہوا حربہ تھا اور بقول عرب خالف تعرف (مخالفت کرو مشہور ہو جاؤ گے) سستی شہرت کا ذریعہ بڑوں کی اور اس بے دینی کے دور میں دین اور دین داروں کی مخالفت اس کا سب سے آسان ذریعہ تھا جس کو ہر انگریزی دان انگریزی دانوں میں فروغ پانے کے لئے استعمال کیا کرتا ہے، ہر نئے فتنہ کی جڑ وہیں لگتی ہے، ہر فرقہ وہیں پیدا ہوتا ہے۔ مگر مودودی صاحب کی ترقی کی یہ ابتدائی منزل تھی، اس لئے ابھی تک آپ کو اپنے متعلق یہ غلط احساس پیدا نہیں ہوا تھا کہ قوم کی راہنمائی کے لئے جس قسم کے علم اور جس طرح کی

صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ ان کے اندر موجود ہیں، چنانچہ ترجمان القرآن رجب ۱۳۵۴ھ میں خود لکھتے ہیں: ''رہنمائی کے لئے جس علم وفضل کی ضرورت ہے وہ مجھ کو حاصل نہیں''۔

اور تفہیمات جلد دوم ص ۳۲۴ میں لکھتے ہیں کہ: ''راقم سطور کو نہ منصب افتاء حاصل ہے اور نہ وہ اس کا اہل ہے کہ مسائل دینیہ میں فتویٰ دینے کی ذمہ داری اٹھا سکے''۔

ترقی کی اس منزل میں مودودی صاحب اگر چہ اپنے متعلق ''منصب افتاء'' اور قوم کی رہنمائی کے لئے جس علم وفضل کی ضرورت ہے اس کا دعویٰ کرنے سے شرماتے ہیں اور اپنی علمی بے بضاعتی کو محسوس کرتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ فتویٰ بھی دیتے جاتے ہیں اور تحقیقات علمیہ میں دخل دینے سے بھی نہیں چوکتے ،غور طلب بات یہ ہے کہ جب ان کو منصب افتاء حاصل نہ ہونے اور ''مسائل دینیہ'' میں فتوی دینے کی اپنے اندر اہلیت نہ ہونے کا خود اقرار ہے پھر وہ اس کے باوجود ''مسائل دینیہ'' میں فتوی اور دخل دے کر آئے دن مسلمانوں میں انتشار کیوں پیدا کرتے رہتے ہیں، کیا مسلمانوں کے اس باہمی اختلاف سے ان کی تحریک ''اقامت دین'' اور نفاذ دستور اسلامی کو تقویت پہنچتی ہے؟ آخر ان کو اس کا نفع کیا ہے؟ مسائل دینیہ میں تحقیقات اور فتاویٰ کے سلسلہ میں وہ ان علماء متبحرین کا حوالہ کیوں نہیں دیتے جو اس کے اہل ہیں اور وہ باقاعدہ علوم دینیہ کو حاصل کر کے منصب افتاء پر فائز ہیں اور صحیح معنی میں وہ اس کے حق دار بھی ہیں اس لئے کہ ان کی ساری عمریں دین متین کی خدمت اور درس، تدریس، تالیف وتصنیف اور افتاء کے کام میں گذری ہیں اور ان کی علمی عظمت اور برتری کے سامنے عرب وعجم کے اہل علم بھی زانوے تلمذ طے کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، لیکن مودودی صاحب نے جب اسلامی تعلیمات سے ناواقف کالیجیوٹ چند نوجوانوں کے طبقہ کو اپنے گرد جمع کرلیا اور انہیں اپنا ہمنوا پایا تو شاید ان کی نظر میں علماء دین اور مفتیان شرع متین کا یہ گروہ ہیچ نظر آنے لگا۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے تیز رو قلم نے اپنی کتاب ''جماعت اسلامی'' ص ۸۷ پر یہ لکھ دیا: ''عوام الناس کو اس عنصر (یعنی علماء وصلحاء) کے دباؤ سے نکالنا اور اقتدار کی مسندوں سے اس کو بے دخل کرنا ناگزیر تخریبی کام ہے''۔

پھر اسی کتاب کے ص ۱۹۱ پر یہ حکم صادر کر دیا: ''سواد اعظم کو اس کے قبضہ سے نکالنے کی کوشش میں کوئی نرمی نہ کی جائے اس کے جھوٹ کا طوفان اس کے فتنوں کا میگزین اور اس کا سیاسی ومعاشی دباؤ ہو تو اس سے پیچھے ہٹنا ہمارے نزدیک فرار عن الزحف سے کمتر درجے کا گناہ نہیں''۔

ان دونوں عبارتوں کو غور سے پڑھ کر کیا یہ نتیجہ نکالنا غلط اور غیر منصفانہ ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک تمام علماء دین کو مسند اقتدار سے بے دخل کر دینا ''تخریبی'' ہونے کے باوجود بھی ناگزیر اور ضروری کام ہے اور آخری عبارت میں تو علماء کو مسند اقتدار سے بے دخل کر دینے اور پیچھے ہٹانے کا حکم اپنی جماعت کو آپ اس انداز سے صادر فرما رہے ہیں کہ اس میں درگزر کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس جہادی مہم میں کسی طرح کی بھی نرمی کا اختیار کرنا ممنوع ہے اور اس سے پیچھے ہٹنا تو فرار عن الزحف یعنی ایسا گناہ ہے جیسے جہاد سے پیچھے ہٹنے کا گناہ ہوتا ہے۔

اس نظریہ میں تو صاف نظر آ گیا کہ دینی اقتدار کوان سے چھیننا اور یورپ کی منشاء کے موافق صرف ان کو ذلیل کرنا ہی اصل مقصود ہے دین رہے یا برباد ہو مگر ان کا اقتدار بدل کر مودودی صاحب کو مل جائے۔

ممکن ہے کہ آپ ان عبارتوں کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالیں کہ مودودی صاحب گویا اب امیرالمؤمنین کی طرح اپنی جماعت کو علماء دین کے خلاف پیش قدمی کرنے کا حکم صادر فرما رہے ہیں، اور پھر حیران ہوں مگر حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے اب مودودی صاحب ترقی کی دوسری منزل میں ہیں جہاں پہنچ کر مودودی صاحب کا عالمگیر فتویٰ یہ ہو گیا ہے کہ: ''عربی تعلیم پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علماء دین ومفتیان شرع متین دونوں قسم کے رہنما اپنی پالیسی اور نظریہ کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں دونوں راہ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں'' (سیاسی کشمکش ج ۳ ص ۷۷)

مودودی صاحب اب اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ان کے سوا تمام لیڈر اور تمام علماء دین ومفتیان شرع متین یکساں گم کردہ راہ ہیں، چلو چھٹی ہوئی اب میدان صاف ہے اور انا ولا غیری (میرے سوا کوئی نہیں) کے نعرہ لگانے کا موقع اب خوب ہاتھ آئے گا۔

زمانہ حاضرہ کے علماء دین اور مفتیان شرع متین کے بعد اب گزشتہ اکابر دین کے متعلق

سنیے کہ مودودی صاحب کیا ارشاد فرماتے ہیں اپنی کتاب رسائل مسائل کے حصہ اول ص ۲۳۵ پر لکھتے ہیں: ''میں نہ مسلک اہلحدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت کا پابند ہوں'' آگے ارشاد فرماتے ہیں ''میرا طریقہ ہے کہ بزرگان سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب وسنت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا اس کو صاف صاف نا درست کہہ دیتا ہوں'' (رسائل ومسائل حصہ اول ص ۵۰۴)

اس عبارت میں تو مودودی صاحب نے تمام بزرگان اسلاف سے آزاد ہو کر اپنی مکمل مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا ہے اور تمام اسلاف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈال کر ان کی چھان بین کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ سلف نے کہاں کہاں کتاب وسنت کو نہیں سمجھا اور کہاں کہاں انہوں نے حکمت عملی (شاید اس سے مودودی صاحب کی اپنی حکمت عملی مراد ہوگی جو کہ بدلتی رہتی ہے) کے خلاف راستہ اختیار کیا ہے، اس سے اہل اسلام حیران نہ ہوں یہ مودودی صاحب کی ترقی کی منزل کا تیسرا دور ہے، اس منزل پر پہنچ کر مودودی صاحب کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ بزرگان اسلاف پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالیں اور نہ صرف یہ کہ جس چیز کو وہ کتاب وسنت کے لحاظ سے درست نہیں پاتے اس کو نا درست کہہ دیتے بلکہ ان کو یہ بھی حق ہو گیا ہے کہ بزرگان اسلاف کے جس خیال اور جس کام کو ''حق پانے کے بعد'' وہ اپنی حکمت عملی کے اعتبار سے بھی درست نہیں پاتے اس کو بھی صاف صاف نا درست کہہ دیں، ان کی اس ''بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ'' سے اسلاف کرام میں سے شاید ہی کوئی شخص بچ نکلا ہو، ورنہ انہوں نے تمام اسلاف کرام اور پورے اسلام پر ہی اپنی تنقیدی نظر ڈالی ہے اور سب کو ہی اس نظر اجتہادی سے نوازا ہے، اگر ناظرین کو یہ خیال ہو کہ ان ائمہ مجتہدین کی تحقیقات واخذ مسائل پر تحقیقی وتنقیدی نظر کرنے کے واسطے کم از کم ان کی برابر قابلیت واستعداد کی تو ضرورت ہوگی اگر زائد کی نہ ہو، تو وہ سمجھ لیں کہ ترقی کے اس دور میں مودودی صاحب اپنے گمان کے موافق گویا اس درجہ پر آ گئے یا اس درجہ پر پہنچنے کا دعویٰ کر گزرے ہیں۔ (جاری......)

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

# احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

## تحقیقی جائزہ (قسط ۲۷)

### حضرت مفتی صاحب کی تحقیقات وآراء

وقد عد ابوبكر الجصاص ،دلالة الأية على جواز المسح في حال لبس الخفين، ووجوب الغسل في حال ظهور الرجلين.

علامہ جصاص آیت وامسحوا برؤسکم وارجلکم سے استدلال فرماتے ہیں کہ یہ آیت موزے پہننے کی صورت میں مسح کے جواز پر دلالت کررہی ہے اور پاؤں ظاہر ہونے کی حالت میں دھونے کے وجوب پر دلالت کررہی ہے۔

### قال العبدالضعيف

فعدالامام ابي بكر الجصاص جوازالمسح في حال لبس الخفين من احكام هذه الأية، دليل ان جوازه ثابت بالكتاب ايضا كما ثبت بالسنة المستفيضة واجماع الصحابة رضي الله عنهم وفي تدريب الراوي،وحديث المسح على الخفين من سبعين رواية(اى من المتواترة)

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ:

یہ بندہ ضعیف کہتا ہے علامہ جصاص آیت کے احکام میں سے موزے پہننے کی صورت میں مسح کے جائز ہونے کے قائل ہیں جو کہ اس بات پر دلیل ہے کہ مسح علی الخفین کا جواز قرآن کریم سے بھی ہورہا ہے جیسا کہ سنت متواترہ اجماع صحابہ سے ثابت ہوا ہے اور تدریب الراوی میں ہے کہ مسح علی الخفین ستر روایات متواترہ سے ثابت ہے۔

### مسائل جدیدہ

(۱) هل يجوزتصوير نصف الاعلى من الفوتوغراف ام لا؟

التصوير(بمعنى المفعول لاالمعنى المصدر)والصورة والمثال والتمثال كلها بمعنى واحد،والمراد مايقع به المعرفة وهو الوجه والرأس ففعل الصورة هو رسم الوجه والرأس ويتعلق به حكم المنع والتحريم. وتجويزبعض العلماء نصف الصورة لايساعده دليل يعتمدعليه،وانالم نحكم بجوازاتخاذ الصورة مطلقا لاتامة ولا منصفة.

وقال ایضا: التصویر لایجوز مطلقا بالقلم وغیرہ ولکن عند شدۃ الضرورۃ جائز، لان الضرورات تبیح المحظورات قاعدۃ الشریعۃ مسلمۃ عندالفقہاء العظام فاذاتحققت الضرورۃ للتصویر علی قاعدۃ الحکومۃ فی الاسفار الی البلاد وغیرھا، فیجوز ولایأثم علی ھذہ القاعدۃ الشرعیۃ، ان الضرورات تبیح المحظورات، ولکن ھذا ان کان السفر ضروریا للحج الفرض وغیرہ والا لم یجز، لاناا جزنا ھذا العمل المحظور عند تحقق الضرورۃ، ولا نقول بجواز عمل التصویر بغیر ضرورۃ وان کان من الفوتوغراف.

مؤلف سورۃ مائدہ آیت نمبر ۱۱۰ اذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر کے تحت یہ مسلک بھی ذکر فرماتے ہیں کہ کیا انسان کے جسم کے اوپر والے نصف حصے کی فوٹوگرافی جائز ہے یا نہیں، اس بارے میں کفایت المفتی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تصویر بمعنی مفعول یعنی بنائی گئی تصویر ہے نہ کہ بمعنی مصدر، صورت، مثال اور اتمثال سب ایک ہی معنی میں ہیں، مراد وہ تصویر ہے جس سے شناخت ہو سکے اور وہ چہرہ اور سر ہے، پس صورت چہرہ اور سر کے ساتھ ہے اسی کے ساتھ ممانعت اور حرمت کا حکم متعلق ہے اور بعض علماء نے نصف صورت کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ کوئی دلیل ان کی اس قابل نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے، البتہ ہم مطلقاً یعنی نہ مکمل نہ ہی نصف تصویر بنانے کے جواز کا حکم نہیں دیتے۔

پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ تصویر خواہ قلم کے ساتھ بنائی جائے یا اس کے علاوہ کے ساتھ جائز نہیں ہے لیکن ضرورت شدیدہ کے وقت جائز ہے جیسا کہ فقہاء کرام کے نزدیک مسلمہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ ضروریات ممنوعات کو مباح کر دیتے ہیں۔

لہٰذا جب تصویر کیلئے ضرورت ثابت ہو جائے جیسے کہ حکومتی اصولوں کے مطابق دیگر شہروں میں اسفار کیلئے ضروری قرار دی جاتی ہے لہٰذا یہ جائز ہوگی اور اس قاعدہ شرعیہ کی وجہ سے وہ شخص گنہگار بھی نہ ہوگا لیکن یہ تب ہے جبکہ یہ ضرورت فرض حج وغیرہ کیلئے ہو وگرنہ جائز نہ ہوگی، ہم نے یہ عمل صرف ضرورت کے تحقق کی صورت میں جائز قرار دیا ہے اور ضرورت کے بغیر ہم عمل تصویر (فوٹوگرافی) کو ہم جائز نہیں کہتے۔

(جاری......)

ع ۔ن ۔ت

# تعارف کتب

نام کتاب: دولہا دلہن کے لیے صدائے دل مولف: الشیخ عبدالجبار عفیف المدنی

صفحات: ۱۹۰ ناشر: صفہ قرآن محل رحمان پلازہ فش مارکیٹ اردو بازار لاہور

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی زندگی میں سکون واطمینان صرف اور صرف اسلامی معاشرت اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے ۔آج ہمارے گھروں میں رنجشیں ، باہمی جھگڑے اور زندگی کی بدمزگی صرف اسلامی معاشرت سے عدم واقفیت اور دوری کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے گھر کے گھر برباد ہوتے چلے جارہے ہیں۔

اس لیے دنیا وآخرت دونوں میں پرلطف زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اعمال صالحہ اختیار کریں اور اپنی ازدواجی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالیں ۔

زیرنظر کتاب میں مؤلف زیدمجدہم نے ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور پرسکون بنانے کے لیے زریں اصول جمع کردیے ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر میاں بیوی اس دنیا کو جنت کا نمونہ بناسکتے ہیں۔

کتاب ہذا دوابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں چند ایسی نصیحتیں بیان کی گئی ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ زوجین کی زندگی امن وسکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

اور دوسرے باب میں میاں بیوی کے درمیان سچی محبت بڑھانے والی بعض باتوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔

ٹائٹل ،طباعت ،کمپوزنگ اور کاغذ بہت ہی عمدہ اور جاذب نظر ہے ۔یہ کتاب ہر مسلمان مرد وعورت کیلئے انتہائی فائدہ منداور ضرورت کی چیز ہے ۔

مولانا محمد آصف چنیوٹی

# اخبار الجامعہ

۲۹محرم: حضرت صدر جامعہ مدظلہم نے جامعہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی میں اصلاحی درس دیا۔

یکم صفر المظفر: مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب نے جامعہ ہذا کے درجہ تخصص فی الافتاء سال اول کے طلبا کا تقریری امتحان لیا اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ حضرت صدر مدظلہم نے مردان سے تبلیغی جماعت میں تشریف لائے ہوئے بعض علماء کرام کو احادیث مسلسلہ کی اجازت دی۔

۲: حضرت مدظلہم نے جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ کے موقع پر بیان کیا اور ماہ صفر المظفر کے حوالے سے عوام الناس میں پائے جانے والے غلط نظریات کی تردید فرمائی۔

۳: آج جامعہ میں درجہ کتب کے طلبا کا تحریری امتحان شروع ہوا اور ۶ صفر المظفر کو بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا۔

۷: حضرت مدظلہم نے جامعہ علوم شرعیہ جھنگ صدر میں پونے دو گھنٹے خطاب فرمایا اور طلبا کا تقریری امتحان لیا۔

۱۳: حضرت مدظلہم نے لاہور ڈاکٹرز ہسپتال میں حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی صاحب کی عیادت فرمائی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب مدظلہم سے ملاقات کی۔

۱۴: حضرت مدظلہم نے جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا میں جلسہ تقسیم اسناد اور شوریٰ کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔

۱۶: حضرت مدظلہم نے جامع مسجد حقانیہ میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب فرمایا اور بعد نماز جمعہ مولانا عبدالجبار صاحب کے والد جناب عبدالغفور صاحب مرحوم کے جنازہ میں شرکت اور پسماندگان سے تعزیت کی۔

۱۸: حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی رحمہ اللہ ڈاکٹرز ہسپتال لاہور میں انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جامعہ سے حضرت صدر مدظلہم کے علاوہ اساتذہ کرام اور بہت سے طلبا نے بھی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

فہیم ترمذی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# نعت النبی ﷺ

ذکر تیرا کلام کے اندر
جیسے صہبا ہو جام کے اندر

تیرے چہرے کا تیری زلفوں کا
عکس ہے صبح و شام کے اندر

لطف و کیف و سرور و شیرینی
میرے آقا کے نام کے اندر

عقل و دانش کی آخری منزل
مدح خیر الانام کے اندر

ان کی نسبت کا ہے شرف حاصل
ورنہ کیا ہے؟ غلام کے اندر

قلب عاشق کی راحت ابدی
بس درود و سلام کے اندر

ہوگیا ان کا ذکر آتے ہی
حسن پیدا کلام کے اندر

حشر میں ہو فہیم بھی شامل
آپ کے لطفِ عام کے اندر